غزلوں کا پانچواں مجموعہ

آتے ہیں غیب سے

انور شعور

ڈاکٹر فاطمہ حسن

اگر مجھ سے ایک ایسے شاعر کا نام پوچھا جائے جس نے صنفِ غزل، عہدِ حاضر کی حیثیت سے ہم آہنگ کی ہے تو میں بے تامل کہہ دوں گی، انور شعورؔ۔ اُن کے اشعار کی کیفیات سائے کی طرح ہمارے ہم رکاب ہو جاتی ہیں۔ سایہ، جس کا ہونا ایک حقیقت ہے۔ قاری وہ کیفیات حاضر و موجود پاتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ یہ بات خیالی نہیں، نیز اسے انور شعورؔ جیسا شاعر ہی مجسم کر سکتا ہے۔ یہاں سے مجھے قمر جمیل کے الفاظ یاد آرہے ہیں:

"انور شعورؔ کی شاعری غیب کی آواز نہیں، موجود کی آواز ہے لیکن اس موجود کی آواز کے پیچھے غیب کے سناٹے بھی سنائی دیتے ہیں۔ وہ حقیقت سمجھنے والا شاعر ہے اور حقیقت سے لڑ کر بڑی نفسیاتی حقیقت تک پہنچنے والا آدمی۔"

بظاہر سادہ انور شعورؔ فکر و اظہار میں اتنے سادہ نہیں جتنے محسوس ہوتے ہیں۔ انور شعورؔ کی شاعری آج کے عہد کے اضداد کی شاعری ہے۔ اُن کے ہاں اپنی ذات کی نفی ہے اور دوسروں کے لیے احترام نظر آتا ہے۔ انور شعورؔ نے ساری تہمتیں اپنے آپ پر دھری ہیں مگر بات یہیں ختم نہیں ہوتی، یہ ساری تہمتیں ایک خاص انسان نے بڑھ کر خود قبول کر لی ہیں، زہر کے اُس پیالے کی طرح جو اُسے تھما دیا گیا ہو۔

غزلوں کا پانچواں مجموعہ

آتے ہیں غیب سے

انور شعور

رنگِ ادب پبلی کیشنز

نگرانِ اشاعت
شاعر علی شاعر
0336-2085325

کتاب : آتے ہیں غیب سے
(غزلوں کا پانچواں مجموعہ)

شاعر : انور شعورؔ
0307-2594020
anwershaoor@gmail.com

اشاعت : اگست 2017ء

ناشر : رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
0345-2610434
021-32761100
rangeadab@yahoo.com
www.facebook.com/rangeadab

تزئین کار : شیرازی شاعر
0300-2054154

پرنٹر : محبوب پریس، کراچی

صفحات : 240

قیمت : =/500 روپے

شہلا رُقیّہ کے نام

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

فہرست

غزلیں

❖❖❖

تقدیم

ڈاکٹر تحسین فراقی

(۱)

انور شعور صاحب سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی، یہ تو مجھے یاد نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے پہلے میں فنون کے غزل نمبر (۱۹۶۹ء) میں اُن کی دس منتخب غزلیں پڑھ چکا تھا اور ان غزلوں کے تیکھے پن نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ چھبیس سال کے ایک نوجوان کی غزل کے یہ تیور ہوں گے، اس کا مجھے سان گمان نہ تھا۔ تب سے اب تک انور شعور اپنے قارئین کو مسلسل حیرت سے دوچار اور اپنے رنگِ خاص سے اُن کی ضیافتِ طبع کا اہتمام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ بعد میں یہ دس غزلیں اُن کے پہلے شعری مجموعے ''اندوختہ'' کا حصہ بنیں مگر کافی حذف و ترمیم کے ساتھ۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ انور شعور اپنے لکھے کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے بلکہ اسے نظرِ ثانی و ثالث کی کٹھالی سے گزارتے اور نکھارتے سنوارتے رہتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ سچا شاعر ماضی کا ہو یا حال کا ''برائے پاکیِ لفظے شبے بروز آرد'' کا جاں کاہ مگر ساتھ ہی ساتھ نشاط انگیز فریضہ ہمیشہ انجام دیتا آیا ہے کہ اسی سے بقائے دوام کے دربار میں اُسے اونچا مقام ملتا ہے۔

کچھ عرصے قبل میری درخواست پر شعور صاحب نے مجھے اپنی شعری کلیات سے نوازا۔ ''اندوختہ'' تو میں پہلے پڑھ چکا تھا، اب ''مشقِ سخن''، ''می رقصم'' اور ''دل کا کیا رنگ کروں'' بھی نظر سے گزرے اور میں اُن کے منفرد شعری آہنگ کا اور زیادہ قائل ہو گیا۔ ''اندوختہ'' اور بعد کے شعری مجموعوں کے جو اشعار میرے حواس پر چھا گئے اور دل کی تہہ میں اُتر گئے، اُن میں سے بعض یہاں درج کرنا بے محل نہ ہوگا۔ میں سوچ میں پڑا رہا کہ آخر اچھا شعر یک بیک کہاں سے ظہور کرتا

آتے ہیں غیب سے

ہے: ''کبھی کبھار بس اُٹھتی ہے ایک ہُو مجھ میں'' (انور شعور)۔ تخلیقی عمل کے پُراسرار معدن سے کیسے کیسے ترشے ہوئے لعل و گہر ہاتھ لگتے ہیں! حفیظ ہوشیار پوری کس اچنبھے سے دوچار ہوئے تھے جب اُنھوں نے سوال اُٹھایا تھا اور کیسا برمحل:

لب پہ آتی ہے بات دل سے حفیظ　　　بات دل میں کہاں سے آتی ہے؟

خیر تخلیقی عمل کے تحیّر خیز مدارج سے قطعِ نظر، انور شعور کے ذیل کے شعر دیکھیے اور اندازہ کیجیے کہ وہ کس سہولت اور برجستگی سے کیسی کیسی گہری باتیں کہہ جاتے ہیں اور قاری کو حیرت زدہ کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ بول چال کے انداز میں تہہ دار باتیں کہنے کے لیے ایک خاص طرح کا شعری مزاج اور اُسی قدر گہری ریاضت درکار ہوتی ہے:

کسی شام چپکے سے در آئے گا　　　جو بھولا ہوا ہے وہ گھر آئے گا

جو ہم نے کہا تھا، نظر آ گیا　　　جو ہم کہہ رہے ہیں، نظر آئے گا

رات لغاتِ عمر سے میں نے چنا تھا ایک لفظ

لفظ بہت عجیب تھا یاد نہیں رہا مجھے

تو کیا میں نے نشے میں واقعی یہ گفتگو کی تھی

مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا جو سوچتا تھا میں

مسرّت کا موقع ہو یا رنج کا　　　بھلا ضبط ہوتے ہیں آنسو کبھی

مسیحا دیکھتا ہے نبض میری　　　تو میں شکلِ مسیحا دیکھتا ہوں

لوگ صدموں سے مر نہیں جاتے　　　سامنے کی مثال ہے میری

دوستو! میرے ساتھ یہ نیکی　　تم نہ کرتے تو کیا عدو کرتے

عدم بھی تو حقیقت ہے　　نہ ہونا بھی تو ہے ہونا

سنبھالے ہوئے ہے یہ شعبہ بھی دل　　اب آنکھوں سے ہوتی ہے برسات کم

وہ زندگی جو گزارے نہیں گزرتی تھی　　ترے طفیل گزارے بغیر بیت گئی

زوالِ زندگیِ مستعار بھی ہوگا　　یہ وہ لباس ہے جو تار تار بھی ہوگا

بہت یاد آتے ہیں وہ لوگ جو　　جیے سامنے، پھر مرے سامنے

(۲)

ابھی میں مذکورہ مجموعوں کی سرشاری کی گرفت سے نکل نہ پایا تھا کہ شعور صاحب نے اپنے تازہ ترین شعری مجموعے کا مسودہ اس حکم کے ساتھ ارسال کیا کہ مجھے اس کا دیباچہ لکھنا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انور شعور جیسے قادر الکلام شاعر کے کلام پر کچھ لکھنا میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ میں نے نہایت اشتیاق سے اسے پڑھا اور یہ دیکھ کر میری مسرت دو چند ہوگئی کہ اس میں وہ سارے محاسن مجھے جلوہ گر نظر آئے جو انور شعور کے سابقہ شعری مجموعوں کا طرّۂ امتیاز تھے۔ اپنی عملی زندگی میں انھیں ''کثرت پرستی'' اور ''پریشاں نظری'' کا کتنا ہی لپکا رہا ہو، اپنی شاعری میں تو اُنھوں نے صرف ایک ہی معشوقِ ہزار شیوہ، ایک ہی عشوہ پرداز سے سروکار رکھا ہے۔ میری مراد صنفِ غزل سے ہے۔ گو انور شعور قطعہ نگاری میں بھی طاق ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ غزل اُن کے دل کی آواز ہے اور قطعہ اُن کے معاش کی مجبوری۔ مجھے نہیں معلوم کہ حافظ کا یہ مشہور شعر:

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحیِ مئے ناب و سفینۂ غزل است

آتے ہیں غیب سے

اُن کی نظر سے گزرا ہے یا نہیں مگر معاصر اُردو شاعری کے منظرنامے میں اگر کوئی سچا اور کھرا شاعر اِس کا مصداق ہوسکتا ہے تو وہ صرف انور شعور ہیں۔

انور شعور کے غزل خزینے کو شروع سے آخر تک کھنگال جائیے: بخوبی اندازہ ہوگا کہ شاعر نے اُردو کے کلاسیکی شعری سرمایے کا بہت دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس کے متنوع اسالیب کو بڑے سلیقے سے جذب کیا ہے۔ زبان و بیاں پر اُن کی گرفت حاکمانہ ہے اور محاسن و معائبِ سخن پر اُن کی نظر گہری ہے۔ گویا غزل کے عہد بہ عہد ظہور میں آنے والے اسالیب سے اُن کی آگاہی اطمینان بخش ہے۔ اُن کی شاعری میں گداز کا عنصر بہت کم ہے مگر جتنا ہے بہت مؤثر ہے۔ کہیں کہیں موجود فلسفیانہ چھوٹ شاید غالب اور اقبال کی دین ہے مگر اُن کی غزل کا غالب لہجہ حالی اور داغ ایسے اکابر سے فیض یافتہ ہے۔ ''فیض یافتہ'' کی ترکیب سے یہ گمان نہ گزرے کہ اُنھوں نے ان دو بے مثل اساتذۂ غزل کی تقلید کی ہے۔ حاشا، اُنھوں نے ان دونوں کے اسالیب کو جذب کیا ہے اور اس کے نتیجے میں اُردو ادب کو جو غزل دی ہے، وہ بڑی حد تک اُن کی اپنی ہے۔ انور شعور کی غزل دور سے پہچانی جاتی ہے۔ اس غزل میں شکستہ پائی کے بجائے عزم، حوصلہ مندی، خودداری، داخلی آسودگی، قناعت، رجائیت، احترامِ انسانیت، عہدِ حاضر کے تہذیبی و سیاسی آشوب، وسعتِ نظر، رندانہ سرمستی، دردمندی، طنز، انسانی مراسم کی بوالعجبیوں، حقیقت پسندی اور فیضانِ عشق کی جھلکیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ مضامین و موضوعات اُن کی غزل میں پائے جاتے ہیں تو اس میں انور شعور کا کیا کمال ہے۔ یہی مضامین آپ کو اُردو کے بیشتر غزل گوؤں کے ہاں مل جائیں گے۔ دراصل شاعری اور خصوصاً غزل کی کامیابی کا فیصلہ کن عنصر اُس کے منفرد اور انوکھے اسلوب میں مضمر ہوتا ہے ـــــ زبان و بیاں کا قدرے غیر روایتی، تازہ، نکھرا ہوا، بے ساختہ و برجستہ انداز جو فوراً دل میں گھر کر لیتا ہے۔ ایسے اسلوب کو وجود میں لانے کے لیے اچھا شاعر کئی فنی حربوں سے کام لیتا ہے۔ شاید میرؔ کی طرح انور شعور نے بھی کسی اچھی گھڑی میں یہ فیصلہ کر لیا ہوگا: ''پر مجھے گفتگو عوام سے ہے''۔ عوام سے گفتگو کے لیے سہل اور سادہ اسلوبِ بیاں شرطِ اوّل ہے مگر خاطر نشاں رہنا چاہیے کہ سہولت اور سادگی کو سپاٹ پن اور اکھرے پن میں ڈھلتے دیر نہیں لگتی۔ یہیں شاعر ایک بڑے امتحان سے دوچار ہوتا ہے۔ انور

شعور اس امتحان سے کامیاب گزر گئے ہیں اور اُنھوں نے اپنی شاعری سہل اور برجستہ رکھتے ہوئے اسے سپاٹ پن کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ اندازِ بیاں کی ندرت، ایجاز و اختصارِ لفظی، بے ساختگی، شاداب اور جذبہ انگیز زمینوں کے انتخاب، توانا اور بے ساختہ مطلعوں کے اہتمام، ردیفوں کے انوکھے انتخاب، قوافی کے تخلیقی استعمال، قولِ محال اور اپنے قاری کے ساتھ گھل مل جانے کے بے تکلفانہ اور درویشانہ انداز نے اُن کی غزل میں غیر معمولی انفرادیت پیدا کر دی ہے۔ قارئین کی نظر سے پوشیدہ نہ ہوگا کہ مقدمۂ شعر و شاعری میں حالی نے قافیے کی جکڑ بندیوں پر احتجاج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی پابندی کے باعث شاعر کو بعض اوقات مضمون سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے مگر اس کے دوسرے پہلو پر بھی نگاہ رہنی چاہیے یعنی یہ کہ قوافی نئے مضامین سُجھانے میں معاون بھی تو ہوتے ہیں۔ اِس تخلیقی سچائی کو انور شعور نے یوں بیان کیا ہے:

شاعری قافیہ پیمائی نہیں ہے، نہ سہی
شعر کیا کیا نہ دیے قافیہ پیمائی نے

انور شعور کی غزل کی ممتاز ترین خصوصیت برجستگی اور بے ساختہ پن ہے۔ اُردو غزل میں برجستگی اور بے ساختہ پن کی عمدہ ترین مثالیں ہمیں بیشتر داغ، کسی قدر امیر، اور اُن کے مابعد کے شعرا مثلاً آرزو، ثاقب، صفی، جلیل مانکپوری، جگر مراد آبادی وغیرہ کے ہاں اور بعد ازاں ناصر کاظمی، باقی صدیقی، سیف الدین سیف اور ظفر اقبال کے یہاں ملیں گی۔ یہ فہرست کسی طرح مکمل نہیں ہے۔ اسی صف میں انور شعور کو بہ سہولت شامل کیا جا سکتا ہے۔ اُن کے پیشِ نظر مجموعے سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ اُنھوں نے کس آسانی سے کتنی عمدہ باتیں کہی ہیں:

جینے میں گھاٹا دیکھا نہیں کچھ — پایا ہی پایا کھویا نہیں کچھ
افسوس اے گل، بیچارہ بلبل — روتا بہت ہے، ہوتا نہیں کچھ

کوئی پابندی نہیں ہے وقت کی — جب تمھیں موقع ملے، تشریف لاؤ
میکدے میں فکرِ دنیا ہے حرام — کیا کریں بیزار کن باتیں، ہٹاؤ

آتے ہیں غیب سے

معا میں نے چُپ کر دیا محترم کو
نہ کرتا تو موصوف کچھ اور بکتے

کل بھی میں تھا کاہلی میں مستعد
آج بھی پوری طرح فعّال ہوں

ہم جب سے تعاقب میں ہیں اُس رہزنِ دل کے
جو رہگزر اُس کی ہے وہی رہگزر اپنی

نہیں بتاتے وہ اِس خوف سے پتا اپنا
کہ ہم خطوط بہت اُن کے نام بھیجیں گے

شعور آپ لکھیے خوشی پر مگر
خوشی ہاتھ اے محترم آئی کب

انور شعور کی غزل کا امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ شاداب اور جذبہ انگیز بحروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ایسی بحریں قاری کے ذہن و قلب میں ایک ولولہ، ہلچل اور ہیجان پیدا کرتی ہیں۔ اس تازہ کاری کی چند ایک مثالیں دیکھیے:

سَو برس کی عمر میں بھی تازگی ہوتی نہیں کیا
دن نیا ہوتا نہیں کیا، شب نئی ہوتی نہیں کیا
ہم اکیلے میں بھلا کوئی اکیلے بیٹھتے ہیں
وہ نہیں ہوتے تو اُن کی یاد بھی ہوتی نہیں کیا

شام اپنی گزرتی ہے نہ ہم سے سحر اپنی
اِس حال میں اُف زندگیِ مختصر اپنی

پہلے شعر میں انور شعور نے بحرِ رمل مثمن سالم مسبغ استعمال کی ہے (یعنی فاعلاتن فاعلاتن

فاعلاتن فاعلاتن) جو جذبات انگیزی کے لیے نہایت موزوں ہے جبکہ دوسری مثال میں غالباً اُنھوں نے مہتاب رائے تاباںؔ کی زمین بہ ادنیٰ تصرف چنی اور اس میں ایسے ایسے شعر نکالے ہیں کہ کڑی کمان کے تیر کی طرح سیدھے سینے میں ترازو ہو جاتے ہیں۔ بندش کی ایسی چستی اب ہماری معاصر غزل میں کمیاب کے حدود میں داخل ہے۔ چلتے چلتے تاباںؔ کی متذکرہ زمین کا مشہور شعر بھی سن لیجیے اور اس کی رعایتِ لفظی کی داد دیجیے:

یا تنگ نہ کر ناصحِ ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا، کمر ایسی

انور شعور کی غزل کی یہ خصوصیت بھی کچھ کم قابلِ داد نہیں کہ اس کے مطلعے بڑے پُرکشش، توانا اور بے ساختہ ہوتے ہیں۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ غزل کا کامیاب اور بولتا ہوا مطلع حسّاس قاری یا سامع کی توجّہ کس خوبی سے معاً اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔ شعور اس رمز سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اُن کی غزلوں کے مطلعے بڑے پُرزور، انوکھے، کیفیت زا اور بلیغ ہوتے ہیں اور بقیہ غزل کی کامیابی کے ضامن:

حالات نہ پوچھیے کہ کیا ہیں　　　ہم آپ سے طالبِ دُعا ہیں

———

حقیقت ایک ہے خلقِ خدا کی　　　لہٰذا کوئی افلاکی نہ خاکی

———

کبھی آہ تھے ہم کبھی واہ تھے　　　کہ دن گاہ اچھے نہ تھے، گاہ تھے

———

ہم بھلا اُن کے یہاں آج کی حالت میں نہ جائیں
تندرستی میں تو جاتے ہیں، علالت میں نہ جائیں

———

کوئی پوچھے کہ کیا کرتے ہو دن بھر　　　تو ہم خاموش ہو جاتے ہیں ہنس کر

———

آتے ہیں غیب سے

ہو علالت میں نہ اے کاش جہاں سے جانا
چلتے پھرتے ہی مناسب ہے یہاں سے جانا

اُس سے مرا مکالمہ سرگوشیانہ تھا   حالانکہ صرف ہم تھے، کوئی تیسرا نہ تھا

دُنیا میں نہیں کوئی مجھے دیکھنے والا   اللہ تعالیٰ، مرے اللہ تعالیٰ

جس دن سے ہم اقتدار میں ہیں   آزاد نہیں، حصار میں ہیں

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ چند مطلعے کس قدر سہل، برجستہ اور اثر آفریں ہیں۔ بظاہر سادہ مگر اپنے اندر معانی کا ایک جیتا جاگتا کارواں لیے ہوئے۔ بندش کی چستی نے ان مطلعوں کو کیسا تحیّر خیز شباب بخشا ہے۔ غزل کا فن تو ان کہی کا فن ہے، اس میں جتنا کہا جاتا ہے، اس سے کہیں زیادہ چھپایا جاتا ہے۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں، یہ صرف عشوہ طراز محبوب ہی کے لیے سچ نہیں، غزل کے لیے بھی سچ ہے۔--- ''تو ہم خاموش ہو جاتے ہیں ہنس کر''، اس ''ہنس کر'' میں شاعر نے رمز و ایما کے پردے میں کیا کچھ نہیں کہہ دیا۔ آخری دو مطلعوں میں سے پہلا اپنے اندر ایہام کی شعبدہ کاری لیے بیٹھا ہے۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ میرے احوال کا علم صرف ناظرِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ایک یہ کہ میری بیکسی کا یہ عالم ہے کہ دُنیا میں کوئی میری خبر گیری کرنے والا نہیں، یوں اس قابلِ رحم حالت میں ذاتِ حق سے استمداد کی ہے مگر کیسے ایمائی انداز میں۔ ''مرے اللہ تعالیٰ'' میں معانی تہ در تہ ہیں۔ یہیں آ کے شاعری سحرِ حلال بنتی ہے اور تاثیر کی جوت جگاتی ہے۔ پھر یہ مطلع (اور پوری غزل) سودا کی مشہور زمین میں ہے:

میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سَلَّمَهُ اللّٰهُ تعالیٰ

سودا کی اس زمین میں شعور نے بڑی عمدہ اور کامیاب غزل کہی ہے ــــ ''اُٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو'' کی پھبتی سے آزاد غزل، جو شاعر کی قدرتِ کلام پر شاہد ہے۔ آخری مطلعے پر امریکی صدر کا

حالیہ بیان یاد آتا ہے جس میں اُس نے صدارتی ذمّہ داری کے نتیجے میں اپنی آزادی کے سلب ہونے پر تاسف کا اظہار کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حکومتی اقتدار ایک بھاری طلائی زنجیر کے سوا اور کیا ہے!

انور شعور نے ہمیشہ کی طرح زیرِ نظر مجموعے میں بھی نادر ردیفوں کا اہتمام کیا ہے۔ شعر کی تاثیر آفرینی میں جہاں نادر قوافی مؤثر کردار ادا کرتے ہیں، وہیں تازہ وشاداب ردیفوں کا بھی حصّہ ہوتا ہے۔ ایسی ردیفیں شعر کے مفہوم کو دو آتشہ کر دیتی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ بعض اوقات شعور ایسی ردیفوں کا استعمال کرتے ہیں جو قوافی سے ہم صوت ہوتی ہیں، چند شعر دیکھیے:

چل پھر کے اِدھر اور اُدھر دیکھ لیا جائے
کیسا ہے یہ شہر ایک نظر دیکھ لیا جائے

ہو گئے اُس پہ قربان ہم ایکدم
خود بخود اُٹھ گیا یہ قدم ایکدم

سو برس کی عمر میں بھی تازگی ہوتی نہیں کیا
دن نیا ہوتا نہیں کیا، شب نئی ہوتی نہیں کیا

گو نہیں صحرا یہ گلشن کے بجائے   ہم قفس میں ہیں، نشیمن کے بجائے

ملی تھی مجھے زندگی خود بخود   لہٰذا گزرتی رہی خود بخود

بس اب تمام ہوا انتظار دل، اے دل
صنم کو چھوڑ خدا کو پکار دل، اے دل

غالب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شاعری قافیہ پیمائی نہیں، معنی آفرینی ہے۔ بجا اور درست مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اوقات قدرتِ کلام کے حامل شعرا کے یہاں قافیہ پیمائی ہی

آتے ہیں غیب سے

معنی آفرینی کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ کبھی کبھی ایسی شاعری محض لفظوں کا کھیل ہوتی ہے اور لطفِ بیان کو جنم دینے والی۔ انور شعور کے ہاں بھی ایسی مثالیں کمیاب نہیں۔ ذرا دیکھیے کہ شاعر نے لفظوں کی شعبدہ بازی سے کیسے کیسے گل بوٹوں کی بہار دکھائی ہے۔ کہیں رعایتیں پیدا کی ہیں اور کہیں ایہام اور قولِ محال سے کام لیا ہے:

ہوتے ہیں خوش خوشی میں نہ غمگین غم میں ہم
موجود ہیں مگر نہیں موجود ہم میں ہم
(گویا رواقیوں کا سا طرزِ احساس)

شعور امّ الخبائث ہے یہ دختر　　چھڑاؤ دخترِ انگور سے جان

یامعین و یامعین و یامعین　　رام ہو جائے کسی صورت وہ بُت

منزل نہیں تھی حالانکہ تھی بھی　　بھٹکے ہوئے تھے راہی لہٰذا

انور شعور کی غزل کے ایک اور پہلو کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ ہے اُن کا طنزیہ اسلوب۔ حقیقت یہ ہے کہ طنز کو زہر خند بنتے دیر نہیں لگتی۔ طنز نگار کے کرنے کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے (طنز کو) لطافت سے جوڑے رکھے۔ لطیف طنز کا کمال ہی یہ ہے کہ جس کے چٹکی لی جائے وہ بھی مزہ لے۔ شعور کے یہاں لطیف طنز کے متعدّد دلچسپ پیرائے نظر آتے ہیں۔ ناہمواری انفرادی ہو یا اجتماعی، بہر حال شاعر کو چٹکی لینے پر مجبور کرتی ہے۔ دیکھیے ایسی صورتِ احوال میں شاعر کا لطیف ردِّ عمل کیا ہوتا ہے:

تو موصوف آمادہ واللہ تھے　　پلاتے ہم اصرار سے شیخ کو

آج بھی زندہ دلوں سے نہیں خالی دُنیا
لوگ ہنستے ہیں اگر درد بتایا جائے

شیخ جی صحبتِ صالح کی ضرورت ہے تمھیں
تم کبھی آؤ تو رندوں سے ملایا جائے

ہے میرا ولی عہد سند یافتہ بیکار
جاتا ہے وہ درخواست لیے دربدر اپنی

ابھی گئے ہیں جو موصوف بے غرض مل کر
وہ عنقریب ہمیں کوئی کام بھیجیں گے

دل جان سے جا رہا ہے لیکن　　　کیا ولولے نابکار میں ہیں

میں پیچھے کہیں لکھ آیا ہوں کہ شعور، حالی اور داغ کی شاعری سے فیض یافتہ ہیں۔ فیض اندوزی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کی غزل میں بھی حالی کی طرح کئی گہرے نفسیاتی نکتے جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ کہیں انسانی مراسم کی بوالعجبیاں پوست کندہ صورت میں اور کہیں حالی اور داغ کی سی شوخی کے شواہد ملتے ہیں۔ ایسی نفسیاتی صداقتیں یا انسانی مراسم کی بوالعجبیاں گہرے مشاہدے کے بغیر ممکن نہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ سچے شاعر کے پاس ایک تیسری آنکھ بھی ہوتی ہے جو ہر کہ و مہ کو ارزانی نہیں ہوتی۔ کچھ شعر ملاحظہ ہوں:

اُس نے جتنا کیا نظرانداز　　　وہ ہوا دل پہ اور اثرانداز

توبہ کے وقت انتہائی دُکھ ہُوا　　　ترک یہ برسوں کی خُو کرتے ہوئے

کام آئی مشق ماہ و سال کی　　　ہو گئی عادت ہمیں ہر حال کی

تھی ہیر میں ہر گھڑی مصیبت　　　جینے کے مزے تو پیار میں ہیں

آتے ہیں غیب سے

ہم نہیں کہتے کسی بت کو بُرا　　ہے یہ گستاخی خدا کی شان میں

وہ پہچانے ہوں یا نہ پہچانے ہوں　　مخاطب ہوئے مسکرا کے ضرور

انور شعور کی غزل کی ایک خصوصیت ایسی بھی ہے، جس میں بہت کم اُردو غزل گو اُن کے شریک و سہیم ہیں۔ میری مراد ہے، اُن کی اپنی ذات کے ساتھ ایسی بے تکلّفی جو قاری کو کئی بار حیرانی سے دوچار کرتی ہے۔ اپنی ذات کے بارے میں کھلی اور بے تکلّف گفتگو کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے۔ یہ حوصلہ حالی کو اور ہمارے نامور معاصر غزل گو ظفر اقبال کو بھی ملا اور قدرت کی طرف سے شعور کو بھی ارزانی ہوا ہے اور اس کے مظاہر اُن کے ہر شعری مجموعے کی طرح پیشِ نظر مجموعے میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور خاصی وافر مقدار میں۔ کہیں کہیں یہ بے تکلّفی اور صاف گوئی صرف اُن کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہی بلکہ اُن کے خانوادے تک رسا نظر آتی ہے:

اے شعور آپ فیل ہو جائیں　　ہو اگر وقت ممتحن اچھا

ناوقت گزر جائیں نہ دُنیا سے شعور آپ
ے آپ کو مرغوب ہے سم ہوتے ہوئے بھی

اُس نے سب کے سامنے بے عزّتی کی اور پھر
تخلیے میں معذرت کر کے ازالہ کر دیا

ملامت نہیں جا سکے گا شعور　　اگر اب وہ بدخو دکھائی دیا

ہیں جماعت سے کہاں غائب شعور　　ہم نے دیکھا تھا وضو کرتے ہوئے

پہلے بھی شعور، مے سے تائب سَو مرتبہ ہو چکا ہوا ہے

شعر گھڑنے کے سوا ہم کسی قابل نہ رہے
ہائے کیا ظلم کیا حوصلہ افزائی نے

میری بیوی سے پوچھ لو جو سلوک شوہرِ نامدار کرتے ہیں

بالعموم آج بھی رہتے نہیں آپے میں شعور
یہ ضعیفی ہے تو کیا ہوگی جوانی ان کی

انور شعور کے اس مجموعے کے اور بھی متعدّد پہلو ہیں جو تفصیلی گفتگو کے متقاضی ہیں مگر مجھے شدّت سے احساس ہو رہا ہے کہ میں پہلے ہی دیباچے کے حدود سے تجاوز کر چکا ہوں۔ انور شعور کی غزل اپنی باطنی توانائی اور اپنی جوہری صداقت کے باعث اُردو کے شعری سرمایے میں ایک قابلِ لحاظ مقام کی حامل ہے۔ طبعِ حسرت کی طرح طبعِ شعور بھی متعدّد اساتذہ مثلاً میر، آتش، غالب، داغ، حالی، اقبال اور فانی کے مائدۂ شعر سے فیضیاب ہوئی ہے اور ان کے بعض شعروں پر ان اکابر کی چھوٹ واضح طور پر دکھائی دیتی ہے مگر ان کے اکثر اشعار ان کی اپنی شخصیت کے چشمۂ صافی سے پھوٹے ہیں۔ اس شاعری کا ایک قلیل حصّہ ایسا بھی ہے جہاں شاعری بیانِ محض کی سطح سے آگے نہیں بڑھی مگر بحیثیتِ مجموعی اُن کی غزل اُردو کے شعری نگارخانے میں اپنے تیکھے اور پُر کشش نقوش کا جادو جگاتی نظر آتی ہے۔ اُن کا ایک پہلو میں نے عمداً نظر انداز کیا ہے اور وہ ان کا نہایت نمایاں وصف ہے، یعنی سہلِ ممتنع۔ اس سے صرفِ نظر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن پر اکثر لکھنے والوں نے اِس پہلو کو بڑے تواتر سے بیان کر دیا ہے اور اب اس کا مزید ذکر میرے نزدیک تحصیلِ حاصل کے مترادف تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ غزل کے ساتھ شعور کا پیمانِ وفا ایک عاشقِ صادق کے پیمان سے ہم رشتہ و ہمرنگ ہے۔ غزل کے ناز اُٹھانے میں اُنھوں نے کوئی

آتے ہیں غیب سے

دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اپنے بدیع، تازہ، شگفتہ، برجستہ اور حافظے کا حصہ بن جانے والے نادر اسلوبِ شعر کے باعث ادبِ اُردو کی تاریخ میں اُن کا مقام محفوظ و متعین ہو چکا۔ اُن کے اِس تازہ شعری مجموعے کا استقبال اُردو غزل کے عشاق کے لیے اتنا ہی ناگزیر ہے جتنا سانس لینے کا عمل۔

انور شعورؔ

شاعر علی شاعرؔ

جس طرح مانی و بہزاد کی بنائی ہوئی تصویریں فنِ مصوّری کا جیتا جاگتا شاہکار ہیں، اسی طرح انور شعورؔ کی غزلیں فنِ شاعری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ اپنے خیالات جن الفاظ میں مجسّم کرتے ہیں، وہ تمام تر شعری لوازم سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں۔ ان کا کلام گنجلک پن، دقّت پسندی اور لفّاظی سے عاری ہے اور اس میں پختہ کاری اس قدر ہے کہ معائبِ سخن تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملتے۔ نہ ان کا کلام سمجھنے کے لیے لغت لے کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ وہ عام بول چال اور معاشرے میں رائج الفاظ و محاورات اپنے کلام کا حصہ بناتے ہیں۔

ممتاز نقّاد اور شاعر قمر جمیل نے لکھا ہے کہ:

> ''انور شعورؔ نے اپنی غزل میں وہ زبان استعمال کی ہے جو کراچی سے دلّی تک ہر کبوتر باز سمجھ سکتا ہے، بول سکتا ہے مگر لکھ نہیں سکتا۔''

خیالات سجا کر پیش کرنا اُن کے کلام کی انفرادیت ہے اور سہلِ ممتنع اُن کی نمائندہ صفت۔ وہ مشکل بات عام فہم اور دل کش پیرائے میں بیان کرنا بہ خوبی جانتے ہیں۔ اُن کے اشعار سادہ اور سلیس ہونے کے سبب سنتے ہی دل میں اُتر جاتے ہیں۔

دو شعر ملاحظہ فرمائیے:

بَیر سے اس قدر ہے بَیر ہمیں
جس قدر پیار سے محبت ہے

☆

آتے ہیں غیب سے

نہ جانے یہ ہیں اُس غزالہ کی آنکھیں
کہ ہیں دو چمکتے دمکتے نگینے

اگر ہم موجودہ اردو دنیا کا جائزہ لیں تو شاید ہمیں زندہ شعرا میں انور شعورؔ جیسا ایک بھی شاعر نظر نہیں آتا جو سہلِ ممتنع کے باوجود تہہ داری میں اُن کا ہم پایہ ہو۔ اُن کے اشعار ایک بار کی سماعت، ایک بار کی قرأت سے آسانی کے ساتھ ذہن نشیں ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اکثر شعر سینہ بہ سینہ پوری دنیا میں ضرب المثل بنتے جا رہے ہیں۔ اب تو عوام و خواص اُن کے اشعار تحریر و تقریر میں برمحل کوٹ کرتے ہیں۔

انور شعورؔ کا تازہ اور پانچواں شعری مجموعہ ''آتے ہیں غیب سے'' رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی سے شایع کیا جا رہا ہے۔ اس میں آپ کو انور شعورؔ کے کلام کی وہ تمام خوبیاں نظر آئیں گی جو ان سطور میں بیان کی گئی ہیں۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ ''کلیاتِ انور شعورؔ'' کی طرح اُن کا یہ شعری مجموعہ بھی آپ کو پسند آئے گا: ؏ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

دو شعر مزید ملاحظہ کیجیے:

آج ہے صبح سے ابر چھایا ہُوا
شام کا کیوں کریں بادہ خوار انتظار

☆

فرشتوں سے میرے مراسم کہاں
بشر ہُوں لہٰذا بشر دوست ہیں

◆◆◆

○

بٹھا کے اپنے قریب اُٹھایا کبھی کسی نے، کبھی کسی نے
ہمیں اکیلا کیا خدایا کبھی کسی نے، کبھی کسی نے

نہ اِس نظر نے کوئی کمی کی نہ اُس نظر نے کوئی کمی کی
جگر پہ تیرِ ستم چلایا کبھی کسی نے، کبھی کسی نے

صنم کدے میں ہمیشہ ہم نے بلند رکھّی اذان اپنی
بہت مکافات سے ڈرایا کبھی کسی نے، کبھی کسی نے

ہٹے نہیں اپنے راستے سے ہم اہلِ دنیا و دیں میں رہ کر
ہمارا ایمان آزمایا کبھی کسی نے، کبھی کسی نے

سلیس و سادہ غزل کے فن میں رہے یگانہ ہم انجمن میں
اگرچہ رنگِ سخن اُڑایا کبھی کسی نے، کبھی کسی نے

جو رازداری کے ساتھ سُن کر گئے تھے انور شعورؔ صاحب
وہ قصّہ آ کر ہمیں سُنایا کبھی کسی نے، کبھی کسی نے

○

یہ زندگی جو بے ثمر و بے ثبات ہے
اِس کائنات میں مری کُل کائنات ہے

تنہائی میرا ساتھ نہیں چھوڑتی کہیں
یہ نیک بخت میری شریکِ حیات ہے

سورج نکل رہا ہے نہ چاند آپ کے بغیر
یعنی غریب خانے میں دن ہے نہ رات ہے

اللہ اُس عمل سے بچائے رکھے ہمیں
جس میں بقولِ شیخ ہماری نجات ہے

سینے سے کوہِ نور کسی نے چُرا لیا
یہ واردات ایک بڑی واردات ہے

مت پوچھئے ہماری معاش اور مقدرت
قربانی ہم پہ فرض نہ واجب زکات ہے

یوں تو ہمارا حلقۂ احباب ہے وسیع
تعداد مخلصوں کی فقط پانچ سات ہے

اس سے کوئی سبق نہ لیا جائے تو شعورؔ
تاریخ صرف سلسلۂ واقعات ہے

○

شوق سے ترجیحات ہماری رَد کر سکتے ہیں احباب
سب کی اپنی اپنی آنکھیں، سب کے اپنے اپنے خواب

چند آنسو بہہ جاتے ہیں تو ہم ایسے کِھل اُٹھتے ہیں
جیسے بارش سے ہو جائے صحرا سرسبز و شاداب

کچھ قسمت کی کارستانی، کچھ دل کی نادانی آہ
کیسے عرض کریں ہم اپنی حرماں حالی کے اسباب

آوازیں دے دے کر دنیا دروازے سے لَوٹ گئی
اے سرمستِ بادۂ الفت، اے بدمستِ بادۂ ناب

ہم نے خود کو پیرِ مغاں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا
جب توبہ سے لڑتے لڑتے بالکل ٹوٹ گئے اعصاب

گاہے گاہے پینے پر بھی مَے کا خرچ نہیں گھٹتا
قیمت بڑھ جاتی ہے اُس کی جو شے ہوتی ہے کمیاب

گو دکھ سکھ آتے ہیں سب پر شام و سحر دنیا میں شعورؔ
کوئی رہتا ہے آسودہ، کوئی رہتا ہے بے تاب

○

صبحدم رات کا کیا بُرا ماننا
رند کی بات کا کیا بُرا ماننا

اختلافات ہیں حُسنِ جمہوریت
اختلافات کا کیا بُرا ماننا

سینکڑوں خوش ہیں، چھ سات ناخوش سہی
صرف چھ سات کا کیا بُرا ماننا

کس عمل، کس ارادے پہ ہوتے نہیں
اعتراضات کا کیا بُرا ماننا

جیت کر ہم سے وہ سُرخرو ہو گئے
اس لیے مات کا کیا بُرا ماننا

اتّفاقات ہوں لاکھ ناخوشگوار
اتّفاقات کا کیا بُرا ماننا

میرے منہ پر چھپاتے ہیں جو میرے دوست
اُن خیالات کا کیا بُرا ماننا

شیخ ہیہات کہتے رہیں اے شعورؔ
اُن کی ہیہات کا کیا بُرا ماننا

○

چل پھر کے اِدھر اور اُدھر دیکھ لیا جائے
کیسا ہے یہ شہر ایک نظر دیکھ لیا جائے

کیا کیا ہے فلک بوس عمارات کے اندر
کیا کیا ہے سرِ راہگزر دیکھ لیا جائے

دربان وہاں ٹھیرنے دیتے نہیں پل بھر
اتنا ہی بہت ہے کہ وہ در دیکھ لیا جائے

میں جوہرِ ذاتی کے سوا کچھ نہیں رکھتا
شک ہو تو مرا زادِ سفر دیکھ لیا جائے

نادانئ دل بڑھ گئی اے حضرتِ ناصح
ارشادِ گرامی کا اثر دیکھ لیا جائے

ہوتی ہے فدا چاندنی اُس پر، کرن اُس پر
شب دیکھ لیا جائے، سحر دیکھ لیا جائے

پہنچانے گئے ہم اُسے بس اُس کی گلی تک
ہر چند ارادہ تھا کہ گھر دیکھ لیا جائے

اِس وقت شعور اپنے ٹھکانے پہ ملے گا
امکان نہیں کوئی مگر دیکھ لیا جائے

○

یگانہ بہت اور یکتا بہت ہے
لہٰذا وہ بیچارہ تنہا بہت ہے

اقامت ضروری نہیں اُس گلی میں
ہمارا وہاں آنا جانا بہت ہے

ہمیں وہ ملا تھا تو ایسا لگا تھا
کہ یہ چہرہ پہلے بھی دیکھا بہت ہے

ملاقات اُس سے نہیں کی زیادہ
مگر اُس کے بارے میں سوچا بہت ہے

ہر آسودگی کی ہوس کیوں کریں ہم
جو تُو نے دیا ہے وہ مولا بہت ہے

اُجالا بہت ہے یہاں ایک جانب
مگر ایک جانب اندھیرا بہت ہے

کہیں دل لگاتے ہوئے سوچ لینا
کہ یہ مشغلہ جان لیوا بہت ہے

شعورؔ آدمی مطلبی ہے مگر وہ
خلوص و محبّت کا شیدا بہت ہے

○

ہو گئی عمر ساٹھ پینسٹھ سال
اور بچپن نہیں گیا تاحال

آپ نے اے شعور خواہ مخواہ
کر لیے ہیں سفید سر کے بال

آج بھی گُل کِھلا رہا ہے دل
گو ہُوا ہے بُری طرح پامال

پھول کس رنگ میں نہیں بھاتا
زرد ہو یا سفید ہو یا لال

ناصحِ محترم مسلّط ہیں
مغبچے! جلد یہ مصیبت ٹال

آدمی راستہ بناتا ہے
توڑ کر سَو رکاوٹیں، سَو جال

خود کو تم کیا سمجھ رہے ہو شعورؔ
میرؔ، غالبؔ، انیسؔ یا اقبالؔ

(26رجنوری 2005ء)

○

کہاں گو کوئی قدر و قیمت روپے کی
سبھی کو نہیں کیا ضرورت روپے کی

یہ دنیا صنم خانہ ہے سیم و زر کا
یہاں ہو رہی ہے عبادت روپے کی

سکوں لینے دیتی ہے شاہ و گدا کو
نہ کثرت روپے کی، نہ قلّت روپے کی

نہ آیا ہمیں ہاتھ حالانکہ ہم نے
دعا دل سے مانگی نہایت روپے کی

بھلا قرض لینے سے خیرات لینا
کہ ہو عارضی شرم و خفّت روپے کی

کمانے سے دشوار فن ہے بچانا
کوئی کھیل ہے کیا حفاظت روپے کی

رقم جیب میں ہو تو جھکتی ہے خلقت
کنیزیں ہیں توقیر و عزّت روپے کی

عزیزو! طلب ہم مساکین کو ہے
بجائے خلوص و محبّت روپے کی

نہ ہو آدمی میں کوئی اور جوہر
تو بیکار ہے استطاعت روپے کی

شعور آپ کرتے ہیں گھر سے زیادہ
کہیں اور جا کر سخاوت روپے کی

○

جب اُسے ہم نے بلایا دھیان میں
آ گیا وہ سامنے ایک آن میں

ہم نہیں کہتے کسی بُت کو بُرا
ہے یہ گستاخی خدا کی شان میں

عشق کی طغیانیاں مت پوچھیے
گھِر گئے ہیں ہم بڑے طوفان میں

ہر طرف گمبھیر سنّاٹا سہی
کوئی آہٹ آ رہی ہے کان میں

بڑھ رہے ہیں روز مہمان اے خدا
چاہیے توسیع دسترخوان میں

گاہے گاہے شوق کرنا ہے حلال
رہ سکے میکش اگر اوسان میں

جانے کیا ہو گا الٰہی کیا نہیں
کٹ رہی ہے زندگی ہیجان میں

بٹ سکے ہر چیز اگر انصاف سے
کیا نہیں موجود پاکستان میں

گھر پہنچتے ہی وہ استعمال کی
آئی تھی چُھپ کر جو شے سامان میں

ہے سخی سب کے لیے صنفِ غزل
شعر مل جاتے ہیں ہر دیوان میں

پھول آخر پھول ہوتا ہے شعورؔ
شاخ پر ہو یا کسی گلدان میں

○

ضرورت کی ہر شے بہم آئی کب
مرے پاس اتنی رقم آئی کب

نہیں تھے ملال و الم لاعلاج
دوائے ملال و الم آئی کب

ہمیشہ سے بوڑھے ہیں فکروں میں ہم
جوانی خدا کی قسم آئی کب

تجھے ہم نے دیکھا نہ ہو خواب میں
کوئی رات ایسی صنم آئی کب

تری یاد کی کیفیت کیا بتاؤں
بہت آئی کب اور کم آئی کب

میں اُس سے فقط دو قدم دُور تھا
مگر وہ پَری دو قدم آئی کب

شعورؔ آپ لپکے خوشی پر مگر
خوشی ہاتھ اے محترم آئی کب

○

کوچۂ یار سے محبّت ہے
در و دیوار سے محبّت ہے

اس بیابان سے ہے عشق ہمیں
اس چمن زار سے محبّت ہے

زندگی ہے پسند، موت نہیں
امرِ دشوار سے محبّت ہے

بیر سے اس قدر ہے بیر ہمیں
جس قدر پیار سے محبّت ہے

ہم بُلاتے ہیں بار بار اُسے
کیونکہ انکار سے محبّت ہے

دوست بھی ہے عزیز دشمن بھی
پھول سے، خار سے محبّت ہے

دوسروں سے ہمیں کہاں سروکار
صرف سرکار سے محبّت ہے

اِس گنہگار کے خدا کو شیخ
ہر گنہگار سے محبّت ہے

جو رہا مستقل ہمارے خلاف
اُس وفادار سے محبّت ہے

کر رہا ہے شعور حق گوئی
کیا اُسے دار سے محبّت ہے

○

ہم تو اُن پر شاعری کرتے رہے
اور خوباں بے رُخی کرتے رہے

ہم نے خوئے دوستی چھوڑی نہیں
کرنے والے دشمنی کرتے رہے

ہم کہاں ہیں؟ کون ہیں؟ تا زندگی
جستجو اِس بات کی کرتے رہے

رشک سے تکتے رہے جنّ و مَلک
وہ کمالات آدمی کرتے رہے

ہم فراری، منتقل جائے پناہ
اِس گلی سے اُس گلی کرتے رہے

تھا دل و جاں کا زیاں جس کام میں
ہم دل و جاں سے وہی کرتے رہے

خوش تو کیا رہتے بھلا عسرت میں ہم
جیسے تیسے زندگی کرتے رہے

کر سکے ترکِ رفاقت ہم نہ وہ
کوششیں دونوں بڑی کرتے رہے

ہوش میں رہنا نہیں سیکھے شعورؔ
گو ہمیشہ میکشی کرتے رہے

○

وہ مدّت سے آئے نہیں ساتھ پینے
ملاقات کو ہو گئے ہیں مہینے

کبھی کی ہے سچّی محبّت بھی یارب
کسی آدمی سے، کسی آدمی نے

نہ کیوں زندگی پر مریں ہم الٰہی
بڑے سُکھ دیے ہیں ہمیں زندگی نے

تمھاری نظر سے چلایا گیا ہو
تو کس شوق سے تیر کھاتے ہیں سینے

نہ جانے یہ ہیں اُس غزالہ کی آنکھیں
کہ ہیں دو چمکتے دمکتے نگینے

خوشی میں دیا ساتھ سب نے ہمارا
مگر ابتلا میں نہ پوچھا کسی نے

اُداس اور خاموش تھا رات سے دل
پرندوں کی چہکار مکّے مدینے

قدم ہوں زمیں پر، نگاہیں فلک پر
تو خود خیر مقدم کو بڑھتے ہیں زینے

شعورؔ آن پر جان دینی پڑے گی
اگر تم زمانے میں آئے ہو جینے

○

مانا کہ مراسم نہیں بھرپور کسی سے
ہم حلقۂ رنداں میں نہیں دُور کسی سے

گو کوئی بتاتا نہیں یہ بات کسی کو
رہتی ہے محبّت کہیں مستور کسی سے

دلدار ہے کوئی تو دل آزار ہے کوئی
مسرور کسی سے ہُوں تو رنجور کسی سے

جینے کے لیے وقت گزاری کے علاوہ
پوچھوں گا کوئی مقصد و منشور کسی سے

دل دادِ وفا مانگ رہا ہے تو بھلا کیا
اُجرت کا طلب گار ہے مزدور کسی سے

وہ پاس سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں مگر ہم
کچھ بولتے رہتے ہیں بدستور کسی سے

رہتا نہیں کچھ یاد شعورؔ اب تمھیں پی کر
کرتے ہو کسی شخص کا مذکور کسی سے

○

یا تو حسبِ مراد آؤ گے تم
یا شب و روز یاد آؤ گے تم

سیرِ گُل رائگاں نہیں جاتی
جب بھی جاؤ گے، شاد آؤ گے تم

دل میں اُس دن کرو گے گھر جس دن
بھول کر ہر مفاد آؤ گے تم

اختلافات ساتھ مت لانا
کیا برائے فساد آؤ گے تم

ہم جیے جائیں گے توقّع میں
زندگی زندہ باد، آؤ گے تم

اور کیا چاہیے شعورؔ تمھیں
بزم سے لے کے داد آؤ گے تم

○

حالات نہ پوچھیے کہ کیا ہیں
ہم آپ سے طالبِ دعا ہیں

گوشہ نہیں عافیت کا کوئی
ہر سمت قیامتیں بپا ہیں

اک عمر گزر گئی مسیحا!
کیا درد ہمارے لادوا ہیں

رکھتے ہیں جگائے نیند میں بھی
وہ خواب جو آپ کی عطا ہیں

طوفان سے باخبر نہیں آہ
کیا لوگ ہمارے ناخدا ہیں

آگاہ کہاں مسرّتوں سے
ہم صرف غموں سے آشنا ہیں

برتاؤ مِلا جُلا ہے اُن کا
کچھ خوش ہیں وہ ہم سے کچھ خفا ہیں

چپ کیوں ہیں وہ آجکل نہ جانے
کس دُکھ میں شعورؔ مبتلا ہیں

○

ہم نے جب بھی اُسے بُلایا ہے
وہ گھڑی دو گھڑی کو آیا ہے

ایک دل ہے ہمارے پہلو میں
سو بھی اپنا نہیں، پرایا ہے

شادماں ہیں کہ غمزدہ ہیں ہم
جانے کیا کیفیت خدایا ہے

کھو دیا اپنے آپ کو ہم نے
تب کہیں یہ مقام پایا ہے

دل کی تختی پہ ہم نے اُس کا نام
کبھی لکّھا، کبھی مٹایا ہے

چارہ سازو! ہمیں ہُوا ہے پیار
سر میں سودا نہیں سمایا ہے

کوئی افسانہ لگ رہا ہے شعورؔ
تم نے جو واقعہ سنایا ہے

○

ہو گئے اُس پہ قربان ہم ایکدم
خودبخود اُٹھ گیا یہ قدم ایکدم

آئی مے کی مہک تو ہَوا ہو گئے
درد و اندوہ و رنج و الم ایکدم

عمر کرتا ہے پَل پَل بسر آدمی
خرچ ہوتی نہیں یہ رقم ایکدم

آپ اِس بار بھی وعدہ فرمائیں تو
مان لوں گا خدا کی قسم ایکدم

مانگتی ہے تحمل بہت زلفِ زیست
کُھل سکیں گے نہ یہ پیچ وخم ایکدم

صبر آنے میں لگتی ہے دیر اے شعورؔ
دل سے جاتا نہیں کوئی غم ایکدم

○

خوار ہیں صاحبانِ فن افسوس
حیف اے ساز! اے سخن افسوس

وہ جو سیتے ہیں دوسروں کے دل
چاک ہیں اُن کے پیرہن افسوس

ایک ہی زلف کے اسیروں میں
حاسدانہ کمینہ پن افسوس

متشاعر ہوں شاعروں کے بجائے
انجمن میں تو انجمن افسوس

باغ ہے باغ اَب نہ بن ہے بن
باغ افسوس اور بن افسوس

شہر میں آگ لگ رہی ہے شعورؔ
اور تم گھر میں ہو مگن افسوس

○

جینے میں گھاٹا دیکھا نہیں کچھ
پایا ہی پایا، کھویا نہیں کچھ

دونوں کی اپنی اپنی ڈگر ہے
دنیا سے دل کا جھگڑا نہیں کچھ

افسوس اے گل! بیچارہ بلبل
روتا بہت ہے، ہوتا نہیں کچھ

محنت سے کی ہے ہر چیز حاصل
ہم نے کسی سے مانگا نہیں کچھ

جمہوریت ہے اپنے وطن میں
سب کچھ بجا ہے، بے جا نہیں کچھ

شانہ بہ شانہ رہنا کہ ہم تم
مل کر بہت کچھ، تنہا نہیں کچھ

جنّت کہاں ہے گھر کا بدل آہ
آنے سے پہلے سوچا نہیں کچھ

مخفی کہاں کچھ شاید کسی سے
گو ہر کسی پر افشا نہیں کچھ

اُف اے شعوؔر اُف تیرا تحمل
سُنتا رہا تُو بولا نہیں کچھ

○

تجھ پہ قربان اے پَری صورت
ایک سے ایک موہنی صورت

تیرے چہرے سے پُرکشش ہو گی
کونسی شکل، کونسی صورت

جس کسی کی نظر پڑی تجھ پر
دیکھتا رہ گیا تری صورت

ہم خوشی سے قبول کر لیں گے
ہو رفاقت کی کوئی بھی صورت

ابتدا ہے ابھی محبت کی
اور کتنی بدل گئی صورت

جیسے سرخی لگائی ہو اُس نے
دیکھیے اُس کی قدرتی صورت

ملنا جلنا بسا غنیمت ہے
دیکھ لیتا ہے آدمی صورت

خُوبروئی کے شوق میں ہم نے
اچّھی خاصی بگاڑ لی صورت

قابلِ دید چیز ہوتی ہے
ہر بَھلی اور ہر بُری صورت

گو مرے ہاتھ کیا نہیں آتا
چَین آتا نہیں کسی صورت

ہم غموں سے مفاہمت کر لیں
زندہ رہنے کی ہے یہی صورت

آپ کرتے ہیں گفتگو تو شعورؔ
دیکھتے ہیں سب آپ کی صورت

○

کل اُس نے مہکتی، ہوئی زلف کھولی
تو بادِ بہار آئی پھیلائے جھولی

خبردار، دنیا سے دھوکا نہ کھانا
یہ حرّافہ معلوم ہوتی ہے بھولی

کراچی مکانوں کا جنگل ہے لیکن
بہت لوگ رکھتے نہیں کوئی کھولی

خدا جانے دیکھا پلک بھر کسی کو
کہ دل میں کوئی پھانس ہم نے چبھو لی

المناک تھا دوستوں کا بچھڑنا
مگر صبر سے ہم نے ہر لاش ڈھو لی

نہ لکھتے زبان اِس قدر عالمانہ
شعورؔ آپ اگر جانتے بولی ٹھولی

○

رات اچھّی ہے اور دن اچھّا
کچھ نہیں پھر بھی تیرے بِن اچھّا

کوئے جاناں میں سب برابر ہیں
جو بُرا ہو اُسے بھی گِن اچھّا

مطمئن لوگ کچھ نہیں کرتے
آدمی غیر مطمئن اچھّا

کر لیا ہے مجھے اُنھوں نے مطیع
مِل گیا ہے اُنھیں یہ جِن اچھّا

ہَمسنوں کی طرح نہیں ہیں یہ
کمسِنوں میں ہوں مَیں مُسِن اچھّا

اے شعورؔ آپ فیل ہو جائیں
ہو اگر وقت ممتحن اچھّا

○

بیٹھتے ہیں لوگ سارے آس پاس
بھیڑ رہتی ہے تمھارے آس پاس

اُس گلی میں داخلہ ممنوع تھا
رات دن ہم نے گزارے آس پاس

دل کو یہ سدھ بدھ کہاں دورانِ دید
ہو رہے ہیں کیا اشارے آس پاس

ہم ٹہلنے دُور کیوں جائیں اگر
ہوں مناظر پیارے پیارے آس پاس

درمیانی فاصلے گو کم نہیں
لگ رہے ہیں چاند تارے آس پاس

سر اُٹھا کر تو ذرا دیکھو شعورؔ
اور بھی ہیں غم کے مارے آس پاس

○

ہاتھ گو ہم کشادہ رکھتے ہیں
بانٹتے کم، زیادہ رکھتے ہیں

ہے ہمیں اہلِ درد سے نسبت
ہم یہی خانوادہ رکھتے ہیں

دامن آلودہ ہے تو ہو گا، ہم
صفحۂ دل تو سادہ رکھتے ہیں

ہیں رہِ راست کے مسافر شیخ
ہم کوئی اور جادہ رکھتے ہیں

ہم نے جب سے شروع کی ہے شراب
چھوڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں

ہر سفر میں ہم اپنے ساتھ فقط
بادہ رکھتے، لبادہ رکھتے ہیں

ہم فرشتے نہیں بنے پھرتے
خود کو انسان زادہ رکھتے ہیں

تم سے کچھ سادہ لوح لوگ شعور
خواہشِ استفادہ رکھتے ہیں

○

ہماری شام کی مصروفیت ہائے
اِدھر ٹہلے، اُدھر ٹہلے، چلے آئے

ابھی ہو جائے گا دل مست و مسحور
وہ اپنی مشکبو زلفیں تو لہرائے

خدا شاہد، محبّت کے دنوں میں
جو سوچے بھی نہیں تھے وہ مزے پائے

نہیں کیا ہر جگہ کا ایک سا حال
کوئی گھبرا کے جائے تو کہاں جائے

کسی کا کون ہوتا ہے خبر گیر
کہاں ہوتے ہیں اب شہروں میں ہمسائے

کیے تھے دوستوں نے جو ہمیں پیش
وہ تحفے قرض کے مانند لَوٹائے

نہیں چکھتے جنابِ شیخ کچھ اور
اُنھوں نے نوش فرمائی فقط چائے

سفر آرام وہ تھا، مختصر تھا
مگر گھر لَوٹ کر ہم خوب ستائے

نہیں ہوتا کوئی بے وجہ مشہور
اُنھیں دیکھا تو وہ سچ مچ بہت بھائے

جو خود آنا نہ چاہے راستی پر
اُسے کس طرح کوئی کھینچ کر لائے

شعورؔ آخر تمھاری کیوں سُنیں وہ
اُنھیں کیا فکر، کوئی روئے یا گائے

○

کیا بتاؤں، اُسے کس طور کیا ہے راضی
مختصر یہ کہ وہ مشکل سے ہُوا ہے راضی

پتّھروں سے تو سلامت ہے یہاں سر یارب
دشتِ پُرخار میں یہ آبلہ پا ہے راضی

اب اُسے کوئی شکایت نہیں ہم سے گویا
ہو کے ناراض وہ پہلے سے سوا ہے راضی

بندے ناخوش ہیں کسی سے تو خدا ہے ناخوش
بندے راضی ہیں کسی سے تو خدا ہے راضی

دیکھنا چاہتے ہیں ہم اُسے اپنے جیسا
کیا گروہِ اُمَرا و رُؤَسا ہے راضی

ہم سے ناغے ہوئے جانے میں بہت پھر بھی شعورؔ
جب ملاقات ہوئی ہے وہ ملا ہے راضی

○

حقیقت ایک ہے خلقِ خدا کی
لہٰذا کوئی افلاکی نہ خاکی

کسی نے اُس کے بندوں کے بجائے
خدا سے دوستی کی بھی تو کیا کی

اثر مشروط ہوتا ہے عمل سے
قدم پہلے اُٹھایا، پھر دعا کی

ہمیں اونچا اُڑانے میں، مخالف
ہواؤں نے مدد بے انتہا کی

کسی کو بھول سکنا غیر ممکن
نہیں کی ہم نے ہر تدبیر یا کی

محبّت میں رہے ثابت قدم ہم
ہُوا کرتی ہے جو مشکل، ہُوا کی

ہر آفت جھیل لیتے ہیں خوشی سے
ہمیں عادت نہیں کس ابتلا کی

ہماری دوستی جب سے ہُوئی ہے
وہ ہم سے اور ہم اُن سے ہیں شاکی

شعورؔ اولیٰ، طوافِ کعبۂ دل
سیاحت کیا کریں ارض و سما کی

○

خوب چکھے ہیں ذائقے غم کے
ہم سے پوچھے کوئی مزے غم کے

ناز اُٹھاتے رہے ہمیشہ ہم
ایک کے بعد، دوسرے غم کے

عشق کی مختصر حکایت میں
واقعے ہیں بڑے بڑے غم کے

دن دکھاتی ہے بے رخی اُن کی
وصل میں بھی فراق کے غم کے

شادمانی کے سبزہ زار میں ہم
آئے ہیں خار زار سے غم کے

بیت جائیں گے بادہ مستی میں
مرحلے جتنے آئیں گے غم کے

اُن کے آتے ہی آ گئے آنسو
توڑ کر سارے ضابطے غم کے

ختم ہوں گے مآلِ کار شعور
سانس کے ساتھ سلسلے غم کے

○

جو سوچیں کلبلاتی ہیں سروں میں
سما سکتیں نہیں وہ دفتروں میں

اگر کمزور ہو جائیں اکٹھے
مچا دیں کھلبلی طاقتوروں میں

محلّے میں نظر آتے نہیں لوگ
عموماً بند رہتے ہیں گھروں میں

نہ جانے شہر والوں کو بھلا کیا
مزہ آتا ہے دیواروں، دروں میں

وظیفے کو کہو تنخواہ، یعنی
شعور اپنے کو سمجھو نوکروں میں

○

مے بہت ہے مگر ذرا سی ہے
کیونکہ بے انتہا اُداسی ہے

زندگی میں فقط محبّت کی
شرط بنیادی و اساسی ہے

کیوں نہ جنگل میں خوش رہے مجنوں
وہ ہمارے نگر کا باسی ہے

جو خود آگاہ، وہ خدا آگاہ
خود شناسی، خدا شناسی ہے

تن سنگھاسی ہے نہ من سنگھاسی تجھ بن
جسم پیاسا ہے، روح پیاسی ہے

خلق کا اصل مسئلہ ہے رزق
باقی ہر مسئلہ سیاسی ہے

اے شعور آپ کا گِلہ شکوہ
کچھ نہیں، صرف ناسپاسی ہے

○

خلوصِ دل سے اُنھیں ہم سلام بھیجیں گے
تو وہ بھی کیا ہمیں کوئی پیام بھیجیں گے

نہیں قبول ہمیں بادہ مفت منگوانا
دُکاندار کو منہ مانگے دام بھیجیں گے

اگر لگائیں بھی ہم اب مکانِ دل پہ صدا
جواب کیا در و دیوار و بام بھیجیں گے

تمھیں نکال کے ہم شرمسار ہیں ناصح
اب آؤ گے تو بصد احترام بھیجیں گے

ہمیں خرید رہے ہیں وہ کس محبّت سے
ضرور آج بنا کر غلام بھیجیں گے

کھٹک رہے ہیں جنھیں ہم حیاتِ فانی میں
ہمیں وہ دے کے حیاتِ دوام بھیجیں گے

وفات پا گئے لوگو! تو آپ بیتی ہم
تمھیں شروع سے تا اختتام بھیجیں گے

نہیں بتاتے وہ اِس خوف سے پتہ اپنا
کہ ہم خطوط بہت اُن کے نام بھیجیں گے

کہیں گیا وہ بتائے بغیر تو اُس تک
ہمیں نقوشِ قدم گام گام بھیجیں گے

کسی نے تحفۂ دل پیش کر دیا تو ہم
گلاب اُس کے لیے صبح و شام بھیجیں گے

ہمارے ذوق سے واقف ہوئے تو منتظمین
ہماری میز پہ مینا و جام بھیجیں گے

ابھی گئے ہیں جو موصوف بے غرض مل کر
وہ عنقریب ہمیں کوئی کام بھیجیں گے

جنھوں نے خلدِ بریں سے زمیں پہ بھیجا ہے
یہاں سے وہ ہمیں اب کس مقام بھیجیں گے

شعور کرتے ہیں شعروں کا انتخاب اچّھا
اُنھیں ہم اپنی بیاضیں تمام بھیجیں گے

○

لوگ مطلب سے پیار کرتے ہیں
اور دعوے ہزار کرتے ہیں

اُف یہ نوبت کہ اب خزاں کو بھی
ہم تصوّر بہار کرتے ہیں

صاف گو دوستوں کو لوگ اپنے
دشمنوں میں شمار کرتے ہیں

وعدے کرتا ہے وہ ہزاروں سے
اور سب اعتبار کرتے ہیں

جن مشاغل پہ اختیار نہیں
ہم وہ بے اختیار کرتے ہیں

ہم سے پوچھو مزے محبّت کے
ہم یہی روزگار کرتے ہیں

رات بھر جاگ کر ترے مہجور
صبح کا انتظار کرتے ہیں

وہ طریقے بھی ہیں ہمیں معلوم
جو نشے کا اُتار کرتے ہیں

ہم سے نیکی کرے کوئی کہ بدی
ہم ادا ہر اُدھار کرتے ہیں

میری بیوی سے پوچھ لو جو سلوک
شوہرِ نامدار کرتے ہیں

غیر اہم واقعات آپ شعوؔر
ذہن پر کیوں سوار کرتے ہیں

○

کس کرب میں ہم ہیں یہ بتا بھی نہیں سکتے
اور اپنے مسیحا سے چھپا بھی نہیں سکتے

پیتے ہوئے رہتی ہے سکت ہم میں نہ سدھ بدھ
پیمانہ گرا دیں تو اُٹھا بھی نہیں سکتے

چھوڑا تھا یہیں اُس نے ہمیں منتظر اپنا
ہم اُٹھ کے یہاں سے کہیں جا بھی نہیں سکتے

کیا خاک نشیں سے غرض افلاک نشیں کو
آ بھی نہیں سکتے وہ بُلا بھی نہیں سکتے

سامع ہوں سخن فہم تو پڑھتے ہیں ہم اشعار
یہ گوہر و الماس لُٹا بھی نہیں سکتے

بھجوائی ہے ساقی نے شعورؔ آج بس اتنی
کل کے لیے تھوڑی سی بچا بھی نہیں سکتے

○

دل کسی شخص پہ مرتا ہے کسی مطلب سے
آدمی عشق بھی کرتا ہے کسی مطلب سے

ہجر میں بننے سنورنے پہ، توجہ کیا دوں
کوئی بنتا ہے، سنورتا ہے کسی مطلب سے

زندگی ہم سے گزاری نہ گئی بے مصرف
ثانیہ ثانیہ برتا ہے کسی مطلب سے

جو گزرتا تھا تری چاہ سے پہلے بیکار
اب وہی وقت گزرتا ہے کسی مطلب سے

کعبے جائے گا تو بے حرص و ہوس جائے گا
بندہ جاتے ہوئے ڈرتا ہے کسی مطلب سے

شاعری کیا کسی مجذوب کی بڑ ہوتی ہے
شعر شاعر پہ اُترتا ہے کسی مطلب سے

کیجیے فکرِ شب و روز کی، خورشید شعورؔ
ڈوبتا اور اُبھرتا ہے کسی مطلب سے

○

یہ واسطہ عجیب، یہ رشتہ عجیب تھا
وہ ایک فاصلے سے ہمارے قریب تھا

جو شخص دوسروں کو جِلا بخشتا تھا آہ
اِس زندگی میں اُس کا مقدّر صلیب تھا

دنیا میں خواہشوں کی کوئی انتہا نہیں
جو خوش رہا نصیب پہ وہ خوش نصیب تھا

شیر و شکر تھے پیرِ مغاں کے نیازمند
اس عاشقی میں کون کسی کا رقیب تھا

احساسِ برتری تھا نہ احساسِ کمتری
میں اُس کا دوست اور وہ میرا حبیب تھا

لکھتا تھا کیسے کیسے مرصّع خطوط اُسے
یادش بخیر، مَیں کبھی اچّھا ادیب تھا

رات اِس گناہگار کو مجلس میں دیکھ کر
منبر پہ بیٹھنے سے گریزاں خطیب تھا

اُس کا خیال ساتھ نہ ہوتا تو اے شعورؔ
تنہائی کا عذاب نہایت مہیب تھا

○

فرق دونوں کی حقیقت میں بھلا ہے کوئی
روح کیا جسم سے ہوتی ہے جدا شے کوئی

مختلف تجربہ ہوتا ہے ہمیں روزانہ
ساقیٔ وقت پلاتا ہے نئی مے کوئی

صرف خوابوں پہ گزارا کرے کوئی کب تک
صرف اُمید پہ بیٹھا رہے تاکے کوئی

ہاتھ آتا ہے بھلا گوہرِ مقصود کسے
جب تک اِس امر کے ہو جائے نہ در پے کوئی

کر دیا عشق نے تقویم سے آزاد ہمیں
اب کسی بات کی تاریخ نہیں طے کوئی

اے شعورؔ آج ہنساتے ہی رہیں گے کیا آپ
چھیڑیے بزم میں اب درد بھری لے کوئی

○

ہو گیا ہے جو واقعہ ہم سے
مت کرو اُس کا تذکرہ ہم سے

ہم اکیلے پڑے ہیں لیکن کوئی
کر رہا ہے مکالمہ ہم سے

ہم نے دنیا کا کیا بگاڑا ہے
خوش نہیں ہیں یہ صاحبہ ہم سے

شیخ صاحب نے رکھ دیا ساغر
کر کے دریافت ذائقہ ہم سے

خود کو جو منتہی سمجھتے ہوں
آ کے پڑھ لیں وہ قاعدہ ہم سے

تھی سوالات کی ہمیں عادت
تنگ تھے سب اساتذہ ہم سے

دل پہ گزرا تھا عشق میں جو شعورؔ
کوئی پوچھے وہ سانحہ ہم سے

○

غم کا دریا بھی نشے میں نظر آتا ہے سراب
مشکلیں راہ کی آسان بناتی ہے شراب

زندہ رہتے ہیں تو رہتے ہیں زمانے میں شہید
روئے گیتی پہ بھلا کون نہیں نقش بر آب

ہم نہیں چاہتے پیتے میں کسی سے ملنا
کوئی آئے تو یہ کہنا کہ طبیعت ہے خراب

کیف ہو جائے گا کافور ہمارا سارا
ناصحِ محترم آئے ہیں کہ آیا ہے عذاب

مست و مسحور سا رکھتے ہیں ہمیں شام و سحر
تیری آنکھوں کے کٹورے، ترے ہونٹوں کے گلاب

میں سفر کے لیے حاضر ہوں مگر شرط یہ ہے
کوئی دمساز مرے ساتھ ہو یا کوئی کتاب

ہے کراچی میں بڑا مسئلہ آنا جانا
بعض اوقات مہینوں نہیں ملتے احباب

ہم اُنھیں چاہتے ہیں اور ہمیں وہ پھر بھی
وہ ہمارے لیے خواب اور ہم اُن کے لیے خواب

چاہتا ہوں کہ ہر احسان چکاؤں لیکن
ہاتھ ہو تنگ تو کیا صاف کیا جائے حساب

کیا کہیں وہ ترے اظہارِ تمنّا پہ شعورؔ
ایسی باتوں کا بھی ہوتا ہے بھلا کوئی جواب

○

کسی کے پاس وہ کچھ دیکھ لے تب آتا ہے
حساب سود و زیاں کا اُسے سب آتا ہے

غریب خانے کم آتا ہے پھر بھی کوئی نہ کوئی
کہانی چھوڑ کے جاتا ہے وہ جب آتا ہے

ہزار سعی کریں ہم اُسے بُھلانے کی
ہمیں وہ شخص بہت یاد یارب آتا ہے

اُسے گئے ہوئے مدّت ہوئی مگر تا حال
نظر ہمیں سحر آتا ہے وہ شب آتا ہے

بھلا کسی سے محبّت کیے بغیر کہاں
سمجھ میں لفظِ محبّت کا مطلب آتا ہے

بسر ہوئی ہے مری زندگی کی ایک ایک آن
اِس آس میں کہ اب آتا ہے وہ اب آتا ہے

ہمارے ساتھ عدو کا رویّہ اور سہی
تمھارے سامنے کیسا مؤدّب آتا ہے

تمھارا حلقۂ احباب ہے وسیع مگر
شعورؔ کوئی تمھیں پوچھنے کب آتا ہے

○

اپنے شک پر ہے مجھے اب تک یقین
چل رہی ہے سر میں سوچوں کی مشین

غور سے سنتا ہوں مَیں دونوں کی رائے
ہیں دماغ و دل برابر کے ذہین

سب کچھ اپنے ہاتھ میں ہے، کیوں نہ ہو
ہم زمیں پر ہیں خدا کے نائبین

بھول جاتے ہیں مکینوں کو مکان
یاد رکھتے ہیں مکانوں کو مکین

سیکھتا ہے آدمی تنقید سے
یعنی مدّاحوں سے بہتر ناقدین

آپ کی یاد آئی کیا بیٹھے بٹھائے
ہو گئی تر آنسوؤں سے آستین

جسم ہو جاتا ہے اوجھل رقص میں
ایک بجلی دیکھتے ہیں ناظرین

رام ہو جائے کسی صورت وہ بُت
یامعین و یامعین و یامعین

حُسنِ صورت ہے میاں، حُسنِ نظر
جو تمھیں بھا جائے، وہ سب سے حَسین

وہ گیا تو ہو گیا سنسان دل
کون بن سکتا ہے اُس کا جانشین

ہم رہے اپنی روش پر گامزن
اور اپنے راستے پر صالحین

کون ہے تم سے زیادہ پُرکشش
دہر میں ہوں گے ہزاروں نازنین

ہم تماشا کیا دکھاتے بے پئے
رہ گئے اصرار کرتے شائقین

شعر ہونا چاہیے عمدہ شعور
خواہ کوئی بحر ہو، کوئی زمین

○

بس اب تمام ہُوا انتظار دل اے دل
صنم کو چھوڑ، خدا کو پکار دل اے دل

وصال ہی میں کہاں تھا کوئی سکون تجھے
فراق میں ہو بھلا کیا قرار دل اے دل

گزارنی ہے تجھے زندگی بہر صورت
بُری گزار کہ اچھی گزار دل اے دل

یہ موتیوں کی لڑی خاک میں نہ مل جائے
رکھ آنسوؤں پہ ذرا اختیار دل اے دل

یہ کس زبان کے الفاظ ہیں، نہیں معلوم
خلوص اور وفا اور پیار دل اے دل

اگر شعور کو کچھ ہو گیا، خدا نہ کرے
بچے گا کون ترا غمگسار دل اے دل

○

جس دن سے ہم اقتدار میں ہیں
آزاد نہیں، حصار میں ہیں

قابل غمِ عشق کے کہاں ہم
موزوں غمِ روزگار میں ہیں

دل جان سے جا رہا ہے لیکن
کیا ولولے نابکار میں ہیں

تھی ہجر میں ہر گھڑی مصیبت
جینے کے مزے تو پیار میں ہیں

طوفان کی طرح موجزن آپ
میرے دلِ بے قرار میں ہیں

باری ابھی دُور ہے ہماری
ہم ایک بڑی قطار میں ہیں

کر لیجیے کم سے کم شعور آپ
وہ کام جو اختیار میں ہیں

○

نقش ایک آدھ یہاں چھوڑ کے جانا اپنا
جاؤ تو کوئی نشاں چھوڑ کے جانا اپنا

خواہ وہ تلخ کلامی ہو کہ شیریں سُخنی
کوئی اندازِ بیاں چھوڑ کے جانا اپنا

سائبانوں کی کمی ہے نہ ٹھکانوں کی کمی
ہم نے یہ راز مکاں چھوڑ کے جانا اپنا

جا کے رندوں میں سنبھالو گے کہاں تک دستار
شیخ! یہ بارِ گراں چھوڑ کے جانا اپنا

آنے والوں کی امانت ہیں تمھاری سوچیں
ہر یقیں اور گماں چھوڑ کے جانا اپنا

ہونے دینا نہ تلف اپنی خرافات شعور
چشمۂ فیض رواں چھوڑ کے جانا اپنا

○

کیا زندگی ہے یہ زندگی بھی
دُکھ بھی دوا بھی، غم بھی خوشی بھی

دیکھو حضر میں، دیکھو سفر میں
چھوٹی بھی ہے یہ دنیا بڑی بھی

اِس روپ میں کچھ، اُس روپ میں کچھ
اچھا تماشا ہے آدمی بھی

بھٹکے ہوئے تھے راہی لہٰذا
منزل نہیں تھی حالانکہ تھی بھی

ہوتی ہے مبنی طرزِ عمل پر
خوش قسمتی بھی، بدقسمتی بھی

وہ چہرہ اب تک دلکش ہے گویا
پہلا تاثّر تھا آخری بھی

بڑھ کر کریں گے ہم خیر مقدم
تشریف لائے چاہے کوئی بھی

انور شعورؔ اب چھوڑو شکایت
اِس دوست کی بھی، اُس دوست کی بھی

○

طاقِ نسیاں میں ہے محفوظ کہانی اُن کی
ہے مرے پاس یہی ایک نشانی اُن کی

جانتے ہیں جو محبّت میں فنا ہو جانا
زندگی دہر میں ہوتی نہیں فانی اُن کی

ہم سمجھتے نہیں حالانکہ پرندوں کی زبان
اچّھی لگتی ہے بہت زمزمہ خوانی اُن کی

ہم سے وہ پوچھتے ہیں اسمِ گرامی ہر بار
بھول جانا ہمیں عادت ہے پُرانی اُن کی

اہلِ دل پر اثر انداز کہاں اہلِ خرد
قابلِ قدر ہے گو فلسفہ دانی اُن کی

وجد آیا ہمیں ہر شعر پہ خود بھی بے حد
جب سنی اپنی غزل ہم نے زبانی اُن کی

بالعموم آج بھی رہتے نہیں آپے میں شعورؔ
یہ ضعیفی ہے تو کیا ہو گی جوانی اُن کی

O

آپ کی بزمِ ناز میں شب کو
سب ہمیں تک رہے تھے، ہم سب کو

کوئے جاناں کے ذرّے ذرّے پر
رشک آتا ہے انجم و کوکب کو

سب کی غایت فلاح اور اصلاح
دیکھ لو ایک ایک مذہب کو

منکسر ہو جو صاحبِ منصب
بخشتا ہے وقار منصب کو

خواہ مطلب سے آئے، آئے تو آپ
ہم دعا دے رہے ہیں مطلب کو

ہیں بڑوں سے زیادہ معلومات
آجکل ایک طفلِ مکتب کو

فکر کیا اے شعورؔ بخشش کی
پیار بندوں سے ہے بہت رب کو

○

اے شعورؔ آپ پیا کیجیے گن کے ہر شام
کم سے کم تین، زیادہ سے زیادہ چھ جام

اپنے ایمان پہ ثابت قدمی سے بڑھ کر
کوئی آزار ہے دنیا میں نہ کوئی آرام

کامیابی کے لیے چاہیے آغاز درست
جیسا آغاز کسی کام کا، ویسا انجام

"نہ ستائش کی تمنّا نہ صلے کی پروا"
ہے محبّت کے لیے وقف یہ بندہ، بے دام

ترکِ مے کا ہم ارادہ نہیں کرتے کس روز
یہ الگ بات کہ رہتے ہیں ہمیشہ ناکام

عمر بس لہو و لعب میں نہیں کاٹی ہم نے
گو ہمارے متعلّق یہ کہانی ہے عام

ہو گیا راندۂ درگاہ شعور آخرِکار
پا گیا ایک وفادار وفا کا انعام

○

ضعیفی کا سہارا، گود کے پالے بہت سے ہیں
بھرا گھر ہے، یہاں آفت کے پرکالے بہت سے ہیں

زمانے سے صفائی ہو رہی ہے رات دن اس کی
مگر اب بھی ہمارے ذہن میں جالے بہت سے ہیں

ہمارا اُن سے رشتہ صرف قرطاس و قلم کا ہے
بظاہر نامہ و پیغام کے آلے بہت سے ہیں

میں لکھ سکتا ہوں اپنے بول، چُن سکتا نہیں بلبل!
تجھے جو گیت بھی اچھّا لگے گا لے، بہت سے ہیں

کوئی اِس مصلحت سے چپ، کوئی اُس مصلحت سے چپ
طرفداروں کے ہونٹوں پر یہاں تالے بہت سے ہیں

کہاں کوئی شریکِ غم مگر تنہا نہیں ہیں ہم
ہمارے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے بہت سے ہیں

شعور آمادہ جینے پر نہ مرنے پر ہُوا یعنی
ضروری کام بھی اس شخص نے ٹالے بہت سے ہیں

○

بے ضرورت ہمیں سوتے سے اُٹھایا کیوں ہے
تُو فقط خواب ہے کوئی تو جگایا کیوں ہے

ہم خود آئے ہیں زمانے میں تو آئے کیوں ہیں
اور لایا ہے کوئی اور تو لایا کیوں ہے

ہم سمجھتے ہیں تجھے حاضر و ناظر پھر بھی
خلق بے یار و مددگار خدایا کیوں ہے

چاہتی ہے کہ خود انسان اُسے فاش کرے
ورنہ قدرت نے کوئی راز چھپایا کیوں ہے

توبہ بہلانے چلے آئے ہیں میخانے ہم
سب ہمیں دیکھ رہے ہیں کہ یہ آیا کیوں ہے

پہلے ہوتا تھا پَرایا بھی عموماً اپنا
اے شعور آجکل اپنا بھی پَرایا کیوں ہے

○

نا اُمیدی سے بہتر ہے یار انتظار
انتظار اے دلِ بے قرار انتظار

لے رہے ہیں مزے پیار کی رُت کے ہم
اے خزاں انتظار، اے بہار انتظار

آج ہے صبح سے ابر چھایا ہُوا
شام کا کیوں کریں بادہ خوار انتظار

سمت کیا طے کروں، ہمسفر کے بغیر
کر رہا ہوں سرِ رہگزار انتظار

عشق نے قیس کی عقل کر دی ہے گم
ورنہ کرتا نہ دیوانہ وار انتظار

آہ اوسان میں اب ہم آئے ہیں جب
جا چکے کر کے سب غمگسار انتظار

بار بار اُس نے آنے کا وعدہ کیا
اور ہم نے کیا بار بار انتظار

راہ تکتے ہوئے کٹ گئی زندگی
اور کب تک ہو پروردگار انتظار

اُس نے چھوڑا وتیرہ نہ ہم نے شعور
وعدہ وعدہ رہا، انتظار انتظار

○

ڈھونڈنے پر بھی کوئی کام کہاں ملتا ہے
پھر بھی بیکار کو آرام کہاں ملتا ہے

چاہتے ہیں کہ پئیں ہم سحر و شام مگر
وقت اتنا سحر و شام کہاں ملتا ہے

گفتگو فون پہ ہوتی ہے زبانی اُن سے
موقعِ نامہ و پیغام کہاں ملتا ہے

اور چیزوں کا تو کیا ذکر کہ بازاروں میں
پیار بھی بے درم و دام کہاں ملتا ہے

تجھ سے ہٹ کر ہمیں چلنے کے لیے چار قدم
راستہ اے روشِ عام کہاں ملتا ہے

کرنی پڑتی ہے بڑی کوہکنی اس کے لیے
تحفۂ بادۂ گلفام کہاں ملتا ہے

کچھ بتانا نہ پڑے، اس لیے غائب ہے شعورؔ
آجکل ہم سے وہ بدنام کہاں ملتا ہے

○

ہوتے ہیں خوش خوشی میں، نہ غمگین غم میں ہم
موجود ہیں مگر نہیں موجود ہم میں ہم

حیرت ہے اپنے صبر و تحمل پہ خود ہمیں
کیسے نہ جانے زندہ ہیں ظلم و ستم میں ہم

پلکیں اُٹھا کے آپ ہمیں دیکھیے ذرا
ڈھونڈیں گے خود کو آپ کی چشمِ کرم میں ہم

میخانے آ کے پوری تھکن دُور ہو گئی
جیسے پہنچ گئے ہوں قدم دو قدم میں ہم

دورانِ کیف آتا ہے سارا جہاں نظر
پیتے نہیں اگرچہ کسی جامِ جم میں ہم

کیوں ایک دوسرے پہ کیا جائے اعتراض
یادِ خدا میں آپ ہیں، یادِ صنم میں ہم

جتنا مِلا وہ شکر سے منظور کر لیا
پڑتے نہیں شعورِ غمِ بیش و کم میں ہم

○

کبھی آہ تھے ہم کبھی واہ تھے
کہ دن گاہ اچھّے نہ تھے، گاہ تھے

محبّت سے جو روکتے تھے ہمیں
وہ بدخواہ تھے یا بہی خواہ تھے

پلاتے ہم اصرار سے شیخ کو
تو موصوف آمادہ واللہ تھے

نکالے گئے جب تقاضا کیا
مہینوں سے محرومِ تنخواہ تھے

زمانے میں گزرے ہیں وہ لوگ بھی
جو سر تا قدم پیار تھے، چاہ تھے

میں تنہا نہیں تھا سفر میں شعورؔ
کئی اجنبی میرے ہمراہ تھے

○

صبر و برداشت میں نہیں کم ہم
پھر بھی کیسے سہیں ترا غم ہم

وہ قیامت گزر گئی دل پر
تا قیامت کریں گے ماتم ہم

دُکھ ہے جامِ سفال کا اتنا
جیسے توڑ آئے ساغرِ جم ہم

دیکھیے کب مُراد پوری ہو
کوششیں کر رہے ہیں پیہم ہم

چَین گھر کے سِوا نہیں ملتا
گھوم آئے ہیں ایک عالم ہم

دیکھ لے قدِ آدم آئینہ
ہیں ترے سامنے مجسّم ہم

سرو و شمشاد کی قسم لے لو
سَر نہیں کر سکے کبھی خم ہم

گامزن ہیں رہِ شہادت پر
لے کے صدق و صفا کا پرچم ہم

تشنگی کی دوا ہیں کیا آنسو
کیوں کریں جیب و آستیں نم ہم

چاہتا ہے تغیّرِ دوراں
شک پہ رکھیں یقینِ محکم ہم

تم ہمیں دیکھ تو رہے ہو شعورؔ
خیریت کیا بتائیں ہمدم ہم

○

ہو تمھیں سچ مچ اگر ہم سے لگاؤ
تم کسی دن تو ہمارے پاس آؤ

کوئی پابندی نہیں ہے وقت کی
جب تمھیں موقع ملے، تشریف لاؤ

ہم تمھاری مہربانی آزمائیں
تم ہماری سخت جانی آزماؤ

پیار ظاہر بھی تو ہونا چاہیے
یار! جو محسوس کرتے ہو، بتاؤ

بوجھ کم کرتی ہے دل کا بات چیت
دوسرے کے دُکھ سُنو، اپنے سُناؤ

آئینہ دشمن نہیں ہے، دوست ہے
آئینے سے روئے روشن مت چھپاؤ

راہ میں حائل ہو اپنی صرف تم
صرف اپنے آپ سے پیچھا چھڑاؤ

من نشیمن میرا دردِ سر نہیں
یہ تمھارا ہے، اُجاڑو یا بساؤ

صرف بے پروائی سے ہوتا ہے ٹھیک
جس مرض کا نام ہے ذہنی دباؤ

ایکدم خاموش ہو جاتے ہیں وہ
اپنے منہ سے یہ نہیں کہتے کہ جاؤ

گھیر رکھا ہے مجھے تنہائی نے
آؤ آ کر اِس عفیفہ سے بچاؤ

میکدے میں فکرِ دنیا ہے حرام
مت کرو بیزار کن باتیں، ہٹاؤ

کر دیا رخصت اُنھیں ہنستے ہوئے
اے شعورؔ اب بیٹھ کر آنسو بہاؤ

○

یہ حقیر و فقیر و پُر تقصیر
خود ہے اپنا مرید، اپنا پیر

ایک دن میں نہیں بنی دنیا
مدّتوں میں ہوئی ہے یہ تعمیر

ترجمہ ہے کتابِ دل کا دقیق
چاہیے ترجمانی و تفسیر

بادۂ ناب خوب بِکتی ہے
جبکہ ہوتی نہیں کوئی تشہیر

دے رہے ہیں کسی کو ہم طعنے
کوئی ہم پر چلا رہا ہے تیر

دل خدایا! پھڑک رہا ہے بہت
ٹوٹ جائے نہ سانس کی زنجیر

خواب تو دیکھتے ہیں لیکن آہ
ہم نہیں دیکھتے کبھی تعبیر

کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
تو اسے ہم نے کہہ دیا تقدیر

وہ دکھائی دیے ہمیں ویسے
جیسی ہم نے بنائی تھی تصویر

میکدے وقت پر پہنچتا ہوں
کیوں کروں نیک کام میں تاخیر

ہے بشاشت کے باوجود شعور
آدمی دلگرفتہ و دلگیر

○

بسر ہوتی ہے اُن کے ساتھ جو شام
ہمیں رہتی ہے ہفتوں یاد وہ شام

طلوعِ جام میں تاخیر کیسی
مناؤ گے بھلا کیا رات کو شام

مزہ ہی اور ہے مِل بیٹھنے کا
سہانی ہے بہت ہم مشربو! شام

گزر جاتی ہے آخر بے پئے بھی
بڑی بیزار کُن ہوتی ہے گو شام

کُھلے گا شام کو میخانہ یارب
ڈھلے دن اور جلد از جلد ہو شام

خدا نے بھیج دی ہے شمعِ مینا
جلائیں گے اِسے ہم، آئے تو شام

پیو ہر فکر سے آزاد ہو کر
کسی کِلکِل میں غارت مت کرو شام

شعورؔ اچھی ہے مے نوشی بس اتنی
کہ تم آسودگی سے کاٹ لو شام

○

مئے ناب چُھڑوا رہا ہے حکیم
کرم کر مرے حال پر اے کریم

نہ ٹوکا کریں پارسا رند کو
کہ ہے اپنی اپنی رہِ مستقیم

جو چھوٹوں پہ شفقت کرے وہ بڑا
جو لوگوں کی خدمت کرے وہ عظیم

کمانے کے قابل نہ ہوں والدین
تو ہوتے ہیں بچّے یسیر و یتیم

مزاحم سہی محتسب اور شیخ
ہمیں نعمتیں دے رہا ہے نعیم

یہاں صبح تو خیر کیا آئے گی
قفس میں بھی آتی ہے بادِ نسیم

بُھلا دو محبّت، بُھلا دو وفا
کہ اب ہو گئی ہیں یہ رسمیں قدیم

پڑھے کوئی اُردو تو معلوم ہو
یہ ہیں کاف گاف اور یہ لام میم

ہماری طرح کوئی ناداں نہیں
سبھی ہیں نہایت عقیل و فہیم

اُلجھتا ہے دانشوروں سے شعور
الٰہی! اُسے بخش عقلِ سلیم

○

باد و باراں میں جام ہے خالی
لاؤ پانی میں گھول کر لالی

ہے ہمارا غلام استغنا
ہے ہماری کنیز خوشحالی

ہاتھ ہم نے کُھلا رکھا اپنا
گو پریشانیاں رہیں مالی

خشک سالی فقط گھروں تک ہے
شہر میں بڑھ گئی ہے ہریالی

بیش قیمت شراب پی کے ہمیں
روکھی سوکھی جو مل گئی، کھا لی

زیرِ افلاک ہو گئے ہم خاک
دیدنی ہے بلند اقبالی

قیس بھی عام آدمی تھا مگر
عشق نے زندگی بدل ڈالی

کام کے ساتھ ساتھ خادم کو
چاہیے ایک فارغ البالی

میکدے میں شعور کی حالت
چیز ہوتی ہے دیکھنے والی

○

وہ دن عمر بھر ہم نہیں بھول سکتے
بسر کر دیے جو تری راہ تکتے

لگاتی ہے جو داغ، دل پر محبّت
وہ رہتے ہیں دائم چمکتے دمکتے

اُڑاتے ہیں اہلِ جنوں کی ہنسی لوگ
مگر دفن کرتے ہیں روتے بلکتے

مری زندگی ہجر کی رات ہے اور
گزاری ہے یہ رات میں نے سسکتے

تمھیں یاد آجائے طائرِ قفس کا
جو دیکھو مجھے آشیاں میں پھڑکتے

معاً میں نے چپ کر دیا محترم کو
نہ کرتا تو موصوف کچھ اور بکتے

اُٹھایا نہیں ہم نے احساں خضر کا
سفر کر لیا طے بھٹکتے بھٹکتے

ہمیں اُن سے سچ بولنا تھا لہٰذا
نہ کیوں بات کرتے ہوئے ہم جھجکتے

شعورؔ آج تعطیل ہے میکدے کی
کہاں جا رہے ہو لپکتے جھپکتے

○

تجربے حاصل ہمیں غم کے، خوشی کے ہو گئے
راز داں ہم ہر طرح کی زندگی کے ہو گئے

ابتدائے عشق ہی تھی، انتہائے عشق بھی
اُس سے پہلی بار مل کر ہم اُسی کے ہو گئے

آدمی نے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا جنھیں
درپئے آزار وہ بُت آدمی کے ہو گئے

ہم نے اپنے آپ کو تنہا نہیں رہنے دیا
ایک نے چھوڑا ہمیں تو دوسری کے ہو گئے

ہیں ہماری اور اُن کی دوستی پر معترض
ہائے ہائے لوگ دشمن، دوستی کے ہو گئے

جاننا کافی نہیں ہے، ماننا بھی شرط ہے
آگہی اُن کی ہوئی جو آگہی کے ہو گئے

بوجھ تھا دل پر بہت اے نکتہ چینو! کیا ہُوا
ہلکے پھلکے ہم اگر تھوڑی سی پی کے ہو گئے

تشنۂ تعبیر ہے بس وصل کا خواب آج تک
ورنہ سارے شوق تو پورے کبھی کے ہو گئے

ہم کسی لائق ہوئے ہوں یا نہیں لیکن شعورؔ
جو ہمیں ہونا تھا آخر مر کے، جی کے ہو گئے

○

نیچے اوپر، آگے پیچھے، دائیں بائیں
ناچتی رہتی ہیں نادیدہ بَلائیں

اِس گلی سے اُس گلی جاتے ہوئے
آنچلوں میں منہ چھپا لیتی ہیں مائیں

عام ہیں چھوٹی بڑی بیماریاں
اور مہنگی ہیں دُکانوں پر دوائیں

کوکنے والے پرندے اُڑ گئے
صرف کوّے کر رہے ہیں کائیں کائیں

خواب ہو تو ٹال جائے آدمی
آنکھ دیکھا حادثہ کیسے بُھلائیں

کیا یہی شہرِ نگاراں ہے شعورؔ؟
جیسے جنگل کر رہا ہو سائیں سائیں

○

سامانِ سکوں کم نہیں، کم ہوتے ہوئے بھی
ہے ایک خوشی، رنج و الم ہوتے ہوئے بھی

جس بزم میں وہ چہرہ دکھائی نہیں دیتا
اُس بزم میں ہوتے نہیں ہم، ہوتے ہوئے بھی

مر مر کے سہی آج بھی ہم جی تو رہے ہیں
حاصل ہے مسرت ہمیں، غم ہوتے ہوئے بھی

بچپن کی محبّت سے موانع کے سبب ہم
محروم رہے دخترِ عم ہوتے ہوئے بھی

ہم نے اُنھیں دیکھا نہ اُنھوں نے ہمیں دیکھا
اسبابِ محبّت کے بہم ہوتے ہوئے بھی

بیٹھے جو ترا راستہ تکنے کے لیے ہم
اُٹھ کر نہ گئے راہِ عدم ہوتے ہوئے بھی

انسان کا ہوتا ہے خمیر ایک، ضمیر ایک
عالم میں عرب اور عجم ہوتے ہوئے بھی

پیتے ہیں کبھی قرض شراب اور کبھی ہم
جاتے نہیں میخانے، رقم ہوتے ہوئے بھی

ٹوٹی نہیں صدموں سے ہماری کمر اب تک
ہر بوجھ اُٹھا لیتی ہے خم ہوتے ہوئے بھی

ناوقت گزر جائیں نہ دنیا سے شعورؔ آپ
مَے آپ کو مرغوب ہے سَم ہوتے ہوئے بھی

○

سرگزشت اپنی رقم کرتے رہے
آپ کہتے اور ہم کرتے رہے

بزمِ ساقی سے اُٹھانے کی ہمیں
کوششیں دنیا کے غم کرتے رہے

صبح و شام و روز و شب اللہ سے
تیری باتیں اے صنم کرتے رہے

زندگی بھرتی رہی جامِ سفال
ہم اُسے پی پی کے کم کرتے رہے

بے بس و مجبور کر دیتا ہے عشق
ہم گوارا ہر ستم کرتے رہے

کر ہی کیا سکتے تھے اُن کے رُوبرو
ہم سرِ تسلیم خم کرتے رہے

ذہن میں آتا رہا جو جو خیال
نذرِ قرطاس و قلم کرتے رہے

میکدے میں رات اِس بے سدھ پہ شیخ
جانے کیا پڑھ پڑھ کے دم کرتے رہے

خدمتیں کرتے رہے خوباں کی ہم
اور بے دام و درم کرتے رہے

لوگ اذانِ فجر کیا سُنتے بھلا
رات بھر قوّال اُدھم کرتے رہے

آج کس منہ سے پشیماں ہیں شعورؔ
عمر بھر کیا محترم کرتے رہے

○

اُن سے دل کی بازیابی کا تقاضا کر دیا
ہم نے یہ کیا کر دیا افسوس یہ کیا کر دیا

کیوں نہ وہ بے فکر ہو ہم سے کہ قدرت نے ہمیں
دست و بازو دے دیے، دانا و بینا کر دیا

ہم کسی کے پاس ہیں، کوئی ہمارے پاس ہے
اِس تصوّر نے ہمیں مسحور کیسا کر دیا

اُس نے چاہا تھا ہمارا ساتھ جزوی طور پر
ہم نے اپنے آپ کو بالکل اُسی کا کر دیا

وہ کبھی اپنی خوشی سے کچھ نہیں لائے مگر
ہم نے منگوایا کوئی سامان تو لا کر دیا

اُس نے سب کے سامنے بے عزّتی کی اور پھر
تخلیے میں معذرت کر کے ازالہ کر دیا

اختیار و بے بسی کے درمیاں ہم نے شعور
زندگی کا وقت پورا کر لیا یا کر دیا

○

اِس طرح چپ حالِ دل کہہ کے ہوئے
ہو گئی مدّت ہمیں چہکے ہوئے

ترکِ مَے نے کر دیا ہے بدحواس
بے پئے رہتے ہیں ہم بہکے ہوئے

ہو گئے آخر سراپا صبر ہم
گو بڑے ظلم و ستم سہہ کے ہوئے

جب سے دیکھا ہے وہ چہرہ، وہ گلاب
ہیں خیالوں میں چمن مہکے ہوئے

ہاتھ جل جائے اگر چُھو لے کوئی
وہ لب و رخسار ہیں دہکے ہوئے

آشنا لطفِ رفاقت سے شعور
ہم ہوئے لیکن الگ رہ کے ہوئے

○

ہمارا حال ہے ناگفتنی، نہیں کہتے
وہ زندگی ہے جسے زندگی نہیں کہتے

دعائیں ہجر میں جینے کی دے رہے ہیں دوست
یہ اور کچھ ہے، اِسے دوستی نہیں کہتے

ارادہ باندھ لیا ہے اگرچہ توبہ کا
عمل کے بعد کہیں گے، ابھی نہیں کہتے

وہ چیز روز نہیں پینی چاہیے بے شک
غم و خوشی میں اُسے ہم بُری نہیں کہتے

جو دل پہ بیت رہی ہے وہ کر رہے ہیں بیان
ہم اپنی شاعری کو شاعری نہیں کہتے

نہ جانے بات پہنچتی شعور کی اُن تک
تو وہ زبان سے جی ہاں کہ جی نہیں کہتے

○

سَو برس کی عمر میں بھی تازگی ہوتی نہیں کیا
دن نیا ہوتا نہیں کیا، شب نئی ہوتی نہیں کیا

آج بھی ہم ڈالتے ہیں لالہ و گل پر نظر تو
پہلے ہوتی تھی جو کیفیّت، وہی ہوتی نہیں کیا

ہم اکیلے میں بھلا کوئی اکیلے بیٹھتے ہیں
وہ نہیں ہوتا تو اُس کی یاد بھی ہوتی نہیں کیا

شام کو جب ہم تھکے ہارے پہنچتے ہیں نشیمن
پھول سے بچّوں کے ہونٹوں پر ہنسی ہوتی نہیں کیا

قیس کا احوال بھی ہے سامنے فرہاد کا بھی
داستاں سب عاشقوں کی دُکھ بھری ہوتی نہیں کیا

جو بھی ملتا ہے، کسی مطلب سے ملتا ہے الٰہی
آجکل دنیا میں سچّی دوستی ہوتی نہیں کیا

پیاس میں بھی مانگ کر پینا گوارا کیوں کریں ہم
مفلس و محروم انساں میں خودی ہوتی نہیں کیا

دیکھتے ہیں ہم شعورؔ اکثر تغافل میں تمھیں اب
کوئی غم ہوتا نہیں، کوئی خوشی ہوتی نہیں کیا

○

شیخ صاحب سے رہا گو ارتباط
ہم نے رکھی مستقیم اپنی صراط

جام آیا سامنے تو ایکدم
رنج و غم لگنے لگے کیف و نشاط

رفتگاں جیسا نہیں اب کوئی بھی
ہائے یہ دورِ زوال و انحطاط

ذہن و دل پیوستہ رکھتا ہے مرے
دانش و دیوانگی کا اختلاط

ہم نے خط لکھا ہے جلدی میں اُنھیں
چُھٹ گئے ہوں گے کچھ اعراب و نقاط

دندناتے پھر رہے ہیں راہزن
ہے ضروری ہر قدم پر احتیاط

کھیلنے آتا نہیں کوئی شعوؔر
اور تم پھیلائے بیٹھے ہو بساط

○

وہ گُل رُخ وہ مہہ رُو دکھائی دیا
کہ یارب ہمیں تُو دکھائی دیا

شریکِ سفر تو نہیں تھا مگر
وہ پہلو بہ پہلو دکھائی دیا

کبھی گل کی خوشبو نظر آئی رنگ
کبھی رنگ خوشبو دکھائی دیا

ادھر تیر اُس کا چلا اور ادھر
جگر میں ترازو دکھائی دیا

حقیقت ہے ارض و سما کا وجود
مگر ایک جادو دکھائی دیا

اُجالے میں اوجھل رہا آنکھ سے
اندھیرے میں جگنو دکھائی دیا

نہ دیکھا کہیں سُکھ سے مخلوق کو
بُرا حال ہر سُو دکھائی دیا

سلامت نہیں جا سکے گا شعور
اگر اب وہ بدخو دکھائی دیا

○

آپ آتے ہیں جب ہمارے پاس
لوگ آ بیٹھتے ہیں سارے پاس

رات ہم اُن کے ساتھ چھت پر تھے
چاند نزدیک تھا، ستارے پاس

کیا دیا ہم نے اور کیا پایا
نہیں رکھتے یہ گوشوارے پاس

وہ ہمارے ہیں اور ہم اُن کے
جبکہ دو دن نہیں گزارے پاس

ساتھ ہوتے ہوئے نہیں ہوتے
ایک دریا کے دو کنارے پاس

یاد، اُمّید، انتظار، دعا
ہجر میں ہیں یہی سہارے پاس

جس طرح ہم پکارتے ہیں اُسے
کاش وہ بھی ہمیں پکارے پاس

عیش کرنا ہے کیا کوئی مشکل
صرف کچھ نوٹ ہوں کرارے پاس

اے شعوؔر ایک تم نہیں، نہ سہی
ہیں کئی دوست پیارے پیارے پاس

○

ہم گئے تھے وہاں مسکراتے ہوئے
اور آئے ہیں آنسو بہاتے ہوئے

کیا قیامت کسی پر گزر جائے گی
کاش وہ سوچتے دل دُکھاتے ہوئے

دیکھ لیتا تو شاید نہ جاتا مگر
مُڑ کے دیکھا نہیں اُس نے جاتے ہوئے

ہم نشے میں کہیں گر کے اُٹھ پائے تو
گھر چلے جائیں گے لڑکھڑاتے ہوئے

آ نکلتے ہیں اکثر ہمارے یہاں
وہ کہیں اور ہوتے ہواتے ہوئے

آپ کا روئے روشن، خدا کی پناہ
چاند بھی ماند ہے جگمگاتے ہوئے

تلخیٔ مے کی پروا نہیں ساقیا!
ہم گزک ساتھ لائے ہیں آتے ہوئے

قابلِ دید لگتے ہیں شاعر ہمیں
داد دیتے ہوئے، داد پاتے ہوئے

گھر میں رہتے ہیں چپ چپ مگر بار میں
ہم چہکتے ہیں پیتے پلاتے ہوئے

دل لگانا بُری بات ہے کیا شعورؔ
شرم کیوں آ رہی ہے بتاتے ہوئے

○

ایک ساتھ اتنے مریضوں کی پذیرائی نے
کر دیا ڈھیر مجھے میری مسیحائی نے

شعر گھڑنے کے سوا میں کسی قابل نہ رہا
ہائے کیا ظلم کیا حوصلہ افزائی نے

ہم نے محدود رکھا حلقۂ یاراں پھر بھی
لے لیا وقت بہت انجمن آرائی نے

دل جو اب سادہ و معصوم بنا بیٹھا ہے
گھر اُجاڑا ہے ہمارا اِسی بَلوائی نے

جس کی غیروں سے بھی اُمید نہیں کی جاسکتی
بھائی کے ساتھ وہ برتاؤ کیا بھائی نے

بزم میں اُن سے کوئی بات کہاں تھی ممکن
دی یہ توفیق مجھے گوشۂ تنہائی نے

نیکنامی نے رکھا شیخ کو مجھ سے محفوظ
اور حضرت سے بچایا مجھے رُسوائی نے

مدّعا ذہن نشیں کر کے گئے تھے لیکن
دے دیا وقت پہ دھوکا ہمیں گویائی نے

اجنبیّت میں شکایت نہیں ہوتی کوئی
رنجشیں دی ہیں ہمیں صرف شناسائی نے

وہ سمجھتی ہے مجھے یوسفِ ثانی اپنا
قد بڑھایا ہے مرا اُس کی زلیخائی نے

شاعری قافیہ پیمائی نہیں ہے، نہ سہی
شعر کیا کیا نہ دیے قافیہ پیمائی نے

گاہے گاہے کی ملاقات میں تھی جو اے دوست
چھین لی ہم سے وہ آشفتگی یکجائی نے

ناگواری سے نہ دیکھیں وہ کسی کی صورت
نکتہ چیں سامنے رکھتے ہوں اگر آئینے

آخرِ کار عزیزوں نے کفن ڈھانپ دیا
دیکھ لی شکل جب ایک ایک تماشائی نے

ہم سے اقدام ہوا عشق کی نادانی کا
گو خبردار کیا تھا ہمیں دانائی نے

کیوں نہ دیکھے یہ محبّت سے عدو کی جانب
تجھ سے نفرت نہیں سیکھی ترے شیدائی نے

بَیر کی جنگ میں بیکار ہے آگے بڑھنا
فتح مندی سے نوازا مجھے پسپائی نے

گو سُنی غور سے ہم نے تری تقریرِ شعور
کچھ سمجھنے نہ دیا فکر کی گہرائی نے

○

اُس نے جتنا کیا نظر انداز
وہ ہُوا دل پہ اور اثر انداز

تول کر بولنے سے آتا ہے
بات کہنے کا مختصر انداز

ہم کریں ناز خوش نصیبی پر
وہ دکھائیں ہمیں اگر انداز

شوق سے مشقِ ناز کر ہم پر
سینہ حاضر ہے اے قدر انداز

سالہا سال کی رفاقت ہے
ہم سمجھتے ہیں اُن کا ہر انداز

ہم نے سیکھی ہے شعر گوئی شعورؔ
نازنینوں کے دیکھ کر انداز

○

گو نہیں صحرا یہ گلشن کے بجائے
ہم قفس میں ہیں نشیمن کے بجائے

اب کہاں پرواز کی ہمّت ہمیں
خواہ آزادی ہو قدغن کے بجائے

ہم پڑے رہتے ہیں مُردے کی طرح
گھر بساتے کاش مدفن کے بجائے

دے کے نعمت کی جگہ حسرت ہمیں
بھر دیا دل اُس نے دامن کے بجائے

کھیل کے بدلے جو گزرے کام میں
وہ بڑھاپا ہے لڑکپن کے بجائے

اُس کے کوچے میں زیادہ وقت ہم
کاٹتے ہیں اپنے مسکن کے بجائے

خاک اُڑاتا تھا جہاں مجنوں کبھی
اب وہ خطّہ باغ ہے بَن کے بجائے

کیا مزہ برسات کا بھیگے بغیر
چھت میں کیوں بیٹھیں ہم آنگن کے بجائے

ہو گئے ہیں آپ سے انجان ہم
شانتی ہے سر میں اُلجھن کے بجائے

در پہ کون آتا ہے دنیا کے سِوا
دل کسے دُوں اِس بھکارن کے بجائے

وہ تبرّک دے رہے ہیں اے شعورؔ
کر ہتھیلی پیش، برتن کے بجائے

○

اِس قدر وجہِ انبساط ہے کیا
آجکل اُن سے ارتباط ہے کیا

غم بھی وقتی، نشاط بھی وقتی
اعتبارِ غم و نشاط ہے کیا

آنکھ روتی ہے، دل سلگتا ہے
آب و آتش میں اختلاط ہے کیا

بیٹھنے کی جگہ نہیں یہ زمین
کوئی شطرنج کی بساط ہے کیا

شیخ کی پیروی نہیں لازم
رند بے سمت و بے صراط ہے کیا

جو بقدرِ سُرور پیتے ہیں
اُن سے پوچھو کہ احتیاط ہے کیا

ہم نے دیکھا ہے بے پیے رہ کر
کیفِ پرہیز و انضباط ہے کیا

آج تم اے شعورؔ چُپ چُپ ہو
کچھ طبیعت میں انحطاط ہے کیا

○

ہم بھلا اُن کے یہاں آج کی حالت میں نہ جائیں
تندرستی میں تو جاتے ہیں، علالت میں نہ جائیں

تجھ سے درخواست ہے، اصرار نہیں ہے ساقی
ہم بڑے مان سے آئے ہیں، خجالت میں نہ جائیں

لوگ احسان جتاتے ہیں پلا کر یارب
جائیں پینے تو ہم اوروں کی کفالت میں نہ جائیں

آخری فیصلہ ہوتا ہے کسی اور جگہ
لوگ یہ بات سمجھ لیں تو عدالت میں نہ جائیں

اب ہمیں میکدے جانا ہے جنابِ ناصح
مختصر بات کریں آپ طوالت میں نہ جائیں

پہلے اپنی ہمہ دانی پہ ہم اِتراتے تھے
کاش اب لَوٹ کے اُس دورِ جہالت میں نہ جائیں

اے شعورؔ آپ اگر شرم و حیا رکھتے ہوں
موت کے منہ میں چلے جائیں، ذلالت میں نہ جائیں

○

اُس سے مرا مکالمہ سرگوشیانہ تھا
حالانکہ صرف ہم تھے، کوئی تیسرا نہ تھا

دونوں شکست کھا گئے پہلی نظر میں اور
ایسی شکست جس کا نشہ فاتحانہ تھا

بے اختیار میں نے اُسے کر لیا قبول
انکار کا سوال نہ کوئی بہانہ تھا

سب کچھ نثار کر کے ہُوا اور امیر دل
لُٹنے کے باوجود لبالب خزانہ تھا

آپس میں ہم مِلے تھے کسی شرط کے بغیر
ہر اعتبار سے یہ عمل مخلصانہ تھا

سچ مچ کا ماجرا بھی ہمیں لگ رہا ہے خواب
گویا کوئی وقوعہ نہیں تھا، فسانہ تھا

اُس سے مرا تعلّقِ خاطر نہ پوچھیے
تھا تو براہِ راست مگر محرمانہ تھا

سب ایک دوسرے کے لیے تھے کُھلی کتاب
تھا بادہ خانہ یا کوئی آئینہ خانہ تھا

تھی بزمِ مَے میں بے غَرَضی قدرِ مشترک
ہر کوئی ہر کسی پہ فدا والہانہ تھا

تھیں عامیانہ آپ کی باتیں مگر شعور
انداز فاضلانہ و دانشورانہ تھا

O

رات اُن سے ہوئی گفتگو دیر تک
خواب میں وہ رہے روبرو دیر تک

کاش ہو جائے اُس سے ملاقات جلد
دل میں رہتی نہیں آرزو دیر تک

مدّتوں بعد آنا ہوا ہے اِدھر
آج ٹہلیں گے ہم کُو بہ کُو دیر تک

چھوٹ جائے گی مَے چھوٹتے چھوٹتے
ختم ہوتی نہیں کوئی خُو دیر تک

ایک پَل میں ہَوا ہو گیا وہ غزال
دل رہا مشکبو مشکبو دیر تک

کل ہمیں مغبچے سے اُلجھنا پڑا
جب نہیں آئے جام و سبو دیر تک

شیخ کا خیر مقدم ہُوا پُرتپاک
اور ہوتی رہی ہاؤہُو دیر تک

چاکِ دل کوئی چاکِ گریباں نہیں
ہو سکے گا نہ اب یہ رفو دیر تک

شہر میں ہے بڑی بے امانی شعورؔ
گھر سے غائب رہا کر نہ تُو دیر تک

○

ملی تھی مجھے زندگی خودبخود
لہٰذا گزرتی رہی خودبخود

منادی ضروری نہیں چاند کی
بکھر جائے گی چاندنی خودبخود

نہ جانے یہ دانستہ اقدام تھا
کہ اُن سے محبّت ہوئی خودبخود

اُسے صرف پہلی نظر دیکھ لو
چلی جائے گی دوسری خودبخود

ہوئی کامیابی ہمیں بارہا
کبھی کوششوں سے، کبھی خودبخود

بس اب دل کے ہاتھوں میں دے دو دماغ
نکل جائے گی ہر کجی خودبخود

مجھے ناصحوں نے بنایا ہے نیک
بگڑتا نہیں آدمی خودبخود

گرانی رہی روز افزوں شعورؔ
تو چھٹ جائے گی میکشی خودبخود

○

کام آئی مشق ماہ و سال کی
ہو گئی عادت ہمیں ہر حال کی

جان لیں تو لوگ جلنا چھوڑ دیں
ہے وہ حالت اِس بلند اقبال کی

نقل کرتے ہیں مصوّر آپ کے
قدّ و قامت اور خدّ و خال کی

تھی دوائے مَے ہمیں اتنی مفید
ہم نے پوری عمر استعمال کی

عرش تک جاتی ہے اے صیّاد آہ
طائرانِ بے پر و بے بال کی

عمدہ گانے شوق سے سنتے ہیں سب
ہو نہ ہو کوئی سمجھ سُر تال کی

رات کو کرتے ہیں ہم مشقِ سخن
اور دن کو فکر آٹے دال کی

ہوتی ہے کنجوس کی قسمت شعورؔ
مال و زر ہوتے ہوئے کنگال کی

○

دن تمھارا ہے، شب تمھاری ہے
عمر جتنی ہے، سب تمھاری ہے

کیوں نہ رشک اپنی زندگی پہ کروں
پہلے میری تھی، اب تمھاری ہے

نظم میں تم ہو، نثر میں تم ہو
بزمِ شعر و ادب تمھاری ہے

یہ ہمیں اور وہ تمھیں حاصل
غم ہمارا، طرب تمھاری ہے

اپنی سمجھو نہ کوئی دُور کی چیز
ہاتھ آ جائے، تب تمھاری ہے

ہر تمنّا چلی گئی دل سے
ہے اگر تو طلب تمھاری ہے

تم ملے ہو نہ مل سکو گے ہمیں
آرزو بے سبب تمھاری ہے

اپنی دنیا بساؤ، یہ دنیا
کب ہماری ہے، کب تمھاری ہے

کیا کرے کوئی چارہ ساز شعورؔ
کیفیت ہی عجب تمھاری ہے

○

دل میں نظر گھماؤ کہ وہ تھا یہیں کہیں
کھویا یہیں کہیں ہے، ملے گا یہیں کہیں

ہم بھی کبھی مقیم اِسی اُجڑے چمن میں تھے
واقع تھا آشیانہ ہمارا یہیں کہیں

بھایا تمھارے ساتھ ہمیں باغ گھومنا
کل شام ہم پھر آئیں گے، ملنا یہیں کہیں

دل کی پناہ گاہ سے باہر نہ جھانکنا
ہے مستقل تلاش میں دنیا یہیں کہیں

ہم کیوں نہ بار بار خیابانِ خواب آئیں
دیکھی تھی ایک صورتِ زیبا یہیں کہیں

جس قرضدار پر درِ میخانہ بند ہے
وہ پھر رہا ہے خاک اُڑاتا یہیں کہیں

سوچیں کبھی اِدھر سے گزرتے ہوئے وہ کاش
رہتا ہے ایک چاہنے والا یہیں کہیں

جاتا نہیں شعورؔ محلّے سے دُور اب
کرتا ہے پی پلا کے تماشا یہیں کہیں

○

کوئی پوچھے کہ کیا کرتے ہو دن بھر
تو ہم خاموش ہو جاتے ہیں ہنس کر

زمانہ ہو گیا وہ شہر دیکھے
مگر ہے سامنے ایک ایک منظر

کسی کی آس جیسا کوئی احساس
ہمارے ساتھ رہتا ہے برابر

یہی ثابت کیا اُس نے بھی افسوس
کہ سب محبوب ہوتے ہیں ستمگر

کسی بھی وقت جاؤ اُس گلی میں
وہاں برپا نظر آتا ہے محشر

خدا ہوتا ہے خوش سچ بولنے سے
مگر بندوں سے لگتا ہے بڑا ڈر

جسے آدابِ محفل کا نہ ہو پاس
چلا جائے وہ دروازے سے باہر

شرابِ ناب ہے ممنوع لیکن
دوائیں بِک رہی ہیں خواب آور

نکل آئے ہیں، لَوٹیں گے نہیں ہم
سفر میں آئیں صحرا یا سمندر

چُھڑاؤ دُخترِ انگور سے جان
شعورؔ اُمّ الخبائث ہے یہ دُختر

○

سَو بجلیاں گرائے فلک آشیانے پر
ثابت کریں گے بے جگری ہم زمانے پر

دھیمے سُروں میں بولنے کا شوق ہے ہمیں
ہو یا نہ ہو اثر کوئی نقّار خانے پر

رو اور گا رہے ہیں عنادل مگر وہ گُل
رونے پہ دے رہا ہے توجّہ نہ گانے پر

پیدا کیا گیا ہمیں دنیا میں اور ہم
مامور کر دیے گئے آنسو بہانے پر

آسودگی کے دَور میں ملتے تھے خود جو لوگ
آتے نہیں وہ آج ہمارے بُلانے پر

اتنی خوشی کہاں تھی ہمیں اُن کے آنے کی
جتنے اُداس بیٹھے ہیں ہم اُن کے جانے پر

کہتے ہیں، رزق طے شدہ ہے فرد فرد کا
ہوتی ہے کوئی مُہر لگی دانے دانے پر

رکھنی ہے فکر شیشۂ مَے کی قدم قدم
ہم نے اُٹھا لیا ہے بڑا بوجھ شانے پر

مشّاق کر دیا ہمیں برسوں کے ساتھ نے
قادر ہیں اب وہ روٹھنے پر، ہم منانے پر

ہیں لاجواب تیرے سوالات اے شعورؔ
ہم اکتفا کریں گے فقط مسکرانے پر

○

حسن کے کرتب دیکھ چکے ہیں
دل والے سب دیکھ چکے ہیں

بے دیکھے مَرتے تھے جس پر
وہ صورت اب دیکھ چکے ہیں

کیا کیا دیکھیں گے ہم آخر
کیا کیا یارب دیکھ چکے ہیں

یاد رکھیں گے شام و سحر ہم
وہ روز و شب دیکھ چکے ہیں

لفظِ عشق کے ہیں سَو مطلب
ہم ہر مطلب دیکھ چکے ہیں

ہم تمھیں دیکھ چکے ہیں لیکن
جانے کہاں، کب دیکھ چکے ہیں

دنیا ہے صرف ایک نظر کی
کیوں دیکھیں جب دیکھ چکے ہیں

مان شعورؔ احباب پہ اتنا!
آپ ان کے ڈھب دیکھ چکے ہیں

○

ہے پہنچنا ہمیں ہر افسوں تک
آخری کیا تک آخری کیوں تک

مُنتہی نظم گو سہی فطرت
کہہ گزرتی ہے غیر موزوں تک

ایک تو یہ زمین تنگ نہیں
اور زیرِ قدم ہے گردوں تک

دل کا نعم البدل کہاں دنیا
جانتا ہے یہ بات مجنوں تک

تم کچھ اعمال چھوڑ کر جانا
مال تو چھوڑتا ہے قاروں تک

ٹوک دیتے ہیں پہرے دار اگر
میں اسیری میں گنگناؤں تک

کیسے نکلیں خوشی کے آنسو بھی
اب نہیں تن میں قطرۂ خوں تک

ہم نے اپنی طلب رکھی محدود
اپنے ساقی کی چشمِ میگوں تک

چاہتے ہیں، بچت کریں لیکن
استطاعت ہے ہاتھ سے منہ تک

پی کے کرتے ہیں بات چیت شعورؔ
ورنہ رہتے ہیں صرف ہاں ہُوں تک

○

معمّا کیا کُھلے ہم پر تمھارا
بدن ہے پھول، دل پتھر تمھارا

ہمیں ہو یا نہ ہو کچھ فکر اپنی
لگا رہتا ہے لیکن ڈر تمھارا

تمھارا پیش منظر ناظروں کو
بتا دیتا ہے پس منظر تمھارا

ہمارا دل تم اپنے ساتھ رکھّو
کہ یہ بیچارہ ہے خوگر تمھارا

ہم اب تک آ چکے ہوتے کئی بار
اگر معلوم ہوتا گھر تمھارا

شعور آخر کہاں ہو کچھ دنوں سے
نہیں دیکھا رُخِ انور تمھارا

○

خود پہ اِترا رہا ہے یہ ناچیز
واقعی آدمی بھی ہے کیا چیز

خیر ہے پھول اور شر کانٹا
یہ بجا چیز ہے، وہ بے جا چیز

کہیں رکھ کے ہمیں وہ بھول گیا
ایک انسان بھی ہے گویا چیز

چیز ہو تو دکان چلتی ہے
ہر خریدار کا تقاضا چیز

دودھ پر خرچ ہو گئے پیسے
کیسے بچّے کو مَیں دِلاتا چیز

کیوں نہ سمجھے وہ سرو قد آخر
خود کو کوئی بلند و بالا چیز

اور مہنگائی بڑھ گئی ہے شعورؔ
ہو گئے ہیں ہم اور ادنیٰ چیز

○

سب سے منہ موڑ کے ہم نے اُسے اپنایا ہے
جو کبھی آئے گا شاید نہ کبھی آیا ہے

ہم کسی آتشِ سیال سے پُرجوش نہیں
کیا بتائیں، ہمیں کس آگ نے گرمایا ہے

دل میں باقی نہیں اب کوئی تمنّا لیکن
جب بھی تُو سامنے آیا ہے، یہ للچایا ہے

اُس خوش آواز سے مجمع میں سنا تھا جو کبھی
ہم نے تنہائی میں وہ گیت بہت گایا ہے

لگ رہا ہے وہ ہمیں دور سے کچھ اور قریب
یعنی ہم نے جسے کھویا ہے، اُسے پایا ہے

لقمۂ تر کے لیے کون طفیلی بنتا
جو مشقّت سے کمایا ہے، وہی کھایا ہے

کیا کروں اپنے مربّی کی شکایت جس نے
زندگی بھر مجھے ہر چیز کو ترسایا ہے

شیخ نے کوئی نئی بات نہیں فرمائی
جو بزرگوں سے سنا تھا، وہی دُہرایا ہے

اُن کا احسان ہے دراصل خدا کا احسان
خود نہیں آئے ہیں وہ بلکہ خدا لایا ہے

جب گیا ہُوں کسی محفل میں نہ پی کر ساقی
جو بھی بیٹھا ہے مرے پاس وہ اُکتایا ہے

اپنی سچّائی اُسے جان سے پیاری تھی شعورؔ
زہر سقراط کو سقراط نے پلوایا ہے

○

وہ بتِ سنگ دل ہے کیا انسان
بے حس انسان، بے وفا انسان

کل بھی خونخوار کم نہیں تھا مگر
حیف صد حیف آج کا انسان

زندگی دلفریب و دلکش ہے
ورنہ کیسے گزارتا انسان

عالمِ خواب میں بھی رہتا ہے
کچھ نہ کچھ سوچتا ہُوا انسان

جان جائے گا راز راز اگر
جستجو میں لگا رہا انسان

کر دیا عشق نے اسے کیا کچھ
گو فقط مشتِ خاک تھا انسان

چھوڑ سکتا نہیں جنون اپنا
ہے شعور ایک سرپھرا انسان

○

ہو علالت میں نہ اے کاش جہاں سے جانا
چلتے پھرتے ہی مناسب ہے یہاں سے جانا

عمر محدود سہی، زندگی محدود نہیں
ہم نے ساحل پہ یہی آبِ رواں سے جانا

دُور ہے پھر بھی پہنچ جاتے ہیں گویا اُڑ کر
اُس کا گھر ہم نے قریب اپنے مکاں سے جانا

شادمانی بھی ضرورت ہے ہماری، غم بھی
ہم نے یہ نکتہ بہار اور خزاں سے جانا

ذمّے داری وہی شانوں پہ اُٹھائی اپنے
ہم نے بڑھ کر جسے ہر بارِ گراں سے جانا

اُس خوش آواز کو دیکھا نہیں ہم نے یعنی
حُسنِ صورت سے کہاں، حُسنِ بیاں سے جانا

تربیت یافتہ صابر اُسے سمجھو جس نے
زندہ رہنے کا ہنر غم زدگاں سے جانا

اے شعورؔ ایک مسافر کو بھلا کیا معلوم
وقت آنے پہ ہو کب اور کہاں سے جانا

○

فقر و استغنا سے مالا مال ہُوں
میں تہی دامن بلند اقبال ہُوں

تلخیٔ مَے کیوں بُری معلوم ہو
آشنائے تلخیٔ احوال ہُوں

اور سب کچھ ہے، سکونِ دل نہیں
سیم و زر ہوتے ہوئے کنگال ہُوں

جس نے بھٹکایا تھا راہِ راست سے
اُس روش پر گامزن تاحال ہُوں

کل بھی تھا مَیں کاہلی میں مستعد
آج بھی پوری طرح فعّال ہُوں

جوہرِ ذاتی ہے میرا اسلحہ
آپ اپنی تیغ، اپنی ڈھال ہُوں

جو نہیں آیا گزشتہ سال بھی
میں اُسی کا منتظر اِمسال ہُوں

خاک کا پُتلا ہُوں میں بھی اے شعورؔ
سانولا ہُوں، زرد ہُوں یا لال ہُوں

○

جدا ہم سے کیا کیا چہیتے ہوئے
ہمیں رنج ہوتا ہے جیتے ہوئے

کیا تھا معالج نے کیا انتباہ
بُھلائے ہُوئے ہُوں یہ پیتے ہوئے

کیا ہم نے بچّوں کی خاطر نباہ
کئی بار گھر میں فضیتے ہوئے

تأسف میں ہیں اُن کے برتاوَ پر
ہم اپنا گریبان سیتے ہوئے

ہمیں یاد آتے ہیں پَل پَل شعورؔ
محبّت کے دن رات بیتے ہوئے

○

یوں تو ہمراہ قافلے کے ہیں
ہم فقط ایک دوسرے کے ہیں

کاروبارِ حیات میں آخر
کونسے کام فائدے کے ہیں

کوئی مورت ہے جس کی صورت میں
نقش میرے مثالیے کے ہیں

قیس و فرہاد و لیلیٰ و شیریں
نام یہ کوئی بُھولنے کے ہیں

کب، کہاں، کس طرح ہوئے ہم خوار
چرچے ایک ایک واقعے کے ہیں

واہ واعظ! تمھارا دسترخوان
سارے کھانے مزے مزے کے ہیں

چکھتے سب کچھ ہیں ہم مگر شوقین
اپنے ذوق، اپنے ذائقے کے ہیں

صبح معلوم ہو رہی ہے شام
ہم تھکے ماندے رتجگے کے ہیں

کیا بتاؤں میں حافظہ اپنا
لوگ شرمندہ قرض دے کے ہیں

کیجیے رحم شاعری پہ شعور
آدمی آپ فلسفے کے ہیں

○

کیوں نقابِ رخِ روشن نہ اُٹھایا جائے
حُسن کیا عیب ہے کوئی کہ چھپایا جائے

کوئی گھر میں نہیں دمساز ہمارا تو بھلا
کس توقّع پہ یہاں سے کہیں جایا جائے

چارہ سازوں سے تعاون نہیں کرتا یہ مریض
کیا علاجِ دلِ دیوانہ کرایا جائے

میں بھی قدموں پہ کھڑا ہو کے دکھا سکتا ہوں
شرط یہ ہے کہ مرا ہاتھ بٹایا جائے

آج بھی زندہ دلوں سے نہیں خالی دنیا
لوگ ہنستے ہیں اگر درد بتایا جائے

شیخ جی صحبتِ صالح کی ضرورت ہے تمھیں
تم کبھی آؤ تو رِندوں سے مِلایا جائے

باغ کی سیر سے ہوتی ہے طراوت حاصل
آئیں ہم روز ٹہلنے اگر آیا جائے

اے شعورؔ آپ بھی سر دُھنتے نظر آئیں اگر
کسی محفل میں کلام آپ کا گایا جائے

○

دنیا میں کمی گو اُمَرا کے لیے کیا ہے
فاقوں کے سِوا خلقِ خدا کے لیے کیا ہے

تنخواہ میں تو پیٹ بھی بھرتا نہیں میرا
دارو کے لیے کیا ہے، دوا کے لیے کیا ہے

ہو آپ کی جانب سے توجہ کہ تغافل
فرق اہلِ دل و اہلِ وفا کے لیے کیا ہے

بندے کو سبھی کچھ تو عطا کر دیا تُو نے
باقی مرے اللہ دعا کے لیے کیا ہے

رند آپ کی نظروں میں گنہگار ہیں واعظ
ارشادِ گرامی صُلحا کے لیے کیا ہے

محفوظ نہیں کوئی جگہ بادِ خزاں سے
بَن ہو کہ چمن، ایک بَلا کے لیے کیا ہے

پہلے تو سمجھتے تھے انھیں پست و بلند آپ
اب رائے شعور ارض و سما کے لیے کیا ہے

○

ہے کوئی انتظار صبح و شام
التوا میں پڑے ہیں سارے کام

چھوڑ دی ہم نے خود روش اپنی
ہو گئی جب وہ شاہراہِ عام

رنگِ رُخ کی مناسبت سے ہے
اُس کی آنکھوں میں بادۂ گلفام

وہ ہمارے ہیں اِس لیے اُن کے
نام کے ساتھ ہے ہمارا نام

چاہیے چونکہ کچھ نہ کچھ کرنا
کر رہے ہیں ہم آجکل آرام

آج برسی ہے، آج سالگرہ
ہم مناتے ہیں سال بھر ایّام

دُکھ بٹانا کرم نہیں کوئی
دے رہے ہیں ہم اپنا فرض انجام

پینے والے ضرور پیتے ہیں
چاہے بڑھ جائیں بے تحاشا دام

ہم بہت اوپر آ گئے ہیں مگر
دُور ہے آج بھی تمھارا بام

خیریت پوچھتے ہو کیا ہم سے
کیا بتائیں تمھیں غم و آلام

شہر میں جان و مال کا دھڑکا
ساتھ رہتا ہے ہر جگہ، ہر گام

دل پگھلنا شعور اُس بُت کا
ہے فقط آپ کا خیالِ خام

○

جاننے کی آرزو کرتے ہوئے
عمر گزری جستجو کرتے ہوئے

کم بیاں کرنے پہ بھی تیری صفات
لوگ لگتے ہیں غلو کرتے ہوئے

پیسے فوراً مانگتا ہے مے فروش
مرحمت جام و سبو کرتے ہوئے

روز گھر جاتے ہیں میخانے سے ہم
راستے بھر ہاؤ ہُو کرتے ہوئے

توبہ کے وقت انتہائی دُکھ ہُوا
ترک یہ برسوں کی خو کرتے ہوئے

ہو گئے دو کے بجائے ایک ہم
آپ کو تم، تم کو تُو کرتے ہوئے

اکتفا کرتے ہیں بس ہُوں ہاں پہ ہم
شیخ جی سے گفتگو کرتے ہوئے

اپنی عزّت بھی گنوا دیتے ہیں آپ
غیر کو بے آبرو کرتے ہوئے

جا پہنچتے ہیں سرِ میداں جلوس
شور برپا کُو بہ کُو کرتے ہوئے

ہیں جماعت سے کہاں غائب شعورؔ؟
ہم نے دیکھا تھا وضو کرتے ہوئے

○

وا میکدہ ہو چکا ہُوا ہے
فرض اب نشہ ہو چکا ہُوا ہے

یکسانیٔ روز و شب میں جینا
آموختہ ہو چکا ہُوا ہے

چکھ لی ہے تو اور کیوں نہ پی لوں
منہ بدمزہ ہو چکا ہُوا ہے

جو غیر کا غیر ہے وہ میرا
بالواسطہ ہو چکا ہُوا ہے

ممکن نہیں عشق اَب دوبارہ
یہ واقعہ ہو چکا ہُوا ہے

ہم بھول چکے ہوئے ہیں خود کو
حل مسئلہ ہو چکا ہُوا ہے

رَش آج بھی ہے وہی سڑک پر
کل حادثہ ہو چکا ہُوا ہے

سوچا بھی نہیں تھا جو کبھی آہ
وہ سانحہ ہو چکا ہُوا ہے

پہلے بھی شعورؔ مے سے تائب
سو مرتبہ ہو چکا ہُوا ہے

○

اِدھر اُدھر کے معاملوں میں لگا تو لیتے ہیں دل ہم اپنا
مگر کسی بیکلی کے باعث عجیب رہتا ہے عالَم اپنا

جو کہہ دیا ہے وہی کریں گے ہم آندھیوں سے نہیں ڈریں گے
زباں پہ رہنا ہے قائم اپنی، بلند رکھنا ہے پرچم اپنا

ہزار خطروں میں کر رہے ہیں ہم اُن کی خاطر حفاظت اپنی
جسے کسی کا خیال ہو وہ خیال رکھتا نہیں کم اپنا

بڑے بڑوں کے لیے کبھی ہم جُھکے نہیں زندگی میں لیکن
وہ سرو قد آئے سامنے تو کریں نہ کس طرح سر خم اپنا

ہماری اِس لاتعلقی سے قرار ہے بے قرار دل کو
ہم آجکل اپنے آپ کو بھی نہیں بتاتے کوئی غم اپنا

ہُوا یہ اندازہ توبہ کر کے کہ پارسائی ہے خود فریبی
تو آ گئے ہم اُسی روش پر بُھلا کے عزمِ مصمّم اپنا

ہماری رُسوائی کا سبب ہے یہ سادہ لوحی، یہ خوش گمانی
جو ہم سے ملتا ہے مسکرا کے اُسے سمجھتے ہیں محرم اپنا

شعور جب سے کہیں گیا ہے خبر نہیں آئی کوئی اُس کی
کہاں ہو، کس حال میں ہو جانے وہ دوست اپنا، وہ ہمدم اپنا

○

دنیا میں نہیں کوئی مجھے دیکھنے والا
اللہ تعالیٰ مرے اللہ تعالیٰ

آتی ہے کبھی رات نہ ہوتا ہے کبھی دن
قسمت میں ہماری نہ اندھیرا نہ اُجالا

افسوس کہ خود وقت ہے اب جان کے در پے
جس نے ہمیں پروان چڑھایا، ہمیں پالا

وہ سامنے بیٹھے ہوں تو کیوں آئے کوئی اور
دورانِ ملاقات جو آیا، اُسے ٹالا

کہنے کی کوئی بات چھپا کر نہیں رکھّی
ہونٹوں پہ لگایا نہیں ہم نے کبھی تالا

دو گز کا سزاوار بھی سمجھا نہ زمیں پر
جب تک مرے لوگوں نے مجھے مار نہ ڈالا

گرنے سے بچاتی ہے فقط خوبیٔ تقدیر
حالانکہ شعور آپ کو کس کس نے سنبھالا

○

شام اپنی گزرتی ہے نہ ہم سے سحر اپنی
اِس حال میں اُف زندگیٔ مختصر اپنی

چاہے نہ ملے گوہرِ مقصود مگر لوگ
اُمید پہ کر دیتے ہیں عمریں بسر اپنی

اشکوں کے نگیں پیش کر اُس ماہ جبیں کو
مٹّی میں یہ دولت نہ مِلا چشمِ تر اپنی

کوشش تو ہماری یہی رہتی ہے کہ وہ آئے
آ جائے گا، تقدیر میں ہو گا اگر اپنی

کس طرح بھلا اپنے تیقّن پہ جمیں ہم
قائم نہیں رہتے کبھی تشکیک پر اپنی

دنیا میں وطن کا متبادل نہیں ملتا
جائیں تو کہاں جائیں زمیں چھوڑ کر اپنی

دل میں جسے آنا ہو بصد شوق چلا آئے
مشہور سمائی کے لیے ہے یہ گھر اپنی

میخانے میں رندوں کا نہیں کوئی بھروسا
رکھنی ہے صراحی ہمیں پیشِ نظر اپنی

گو ساتھ ہمارا ہے کوئی نصف صدی کا
ہم اپنی روش پر ہیں، شریکِ سفر اپنی

ہے میرا ولی عہد سند یافتہ بیکار
جاتا ہے وہ درخواست لیے در بہ در اپنی

ہم جب سے تعاقب میں ہیں اُس رہزنِ دل کے
جو رہگزر اُس کی ہے وہی رہگزر اپنی

اشیا کے بغیر اس کا گزارا نہیں ہوتا
ایجاد کی محتاج ہے نوعِ بشر اپنی

مانا کہ شعور ایک زمانے سے ہے تائب
اب بھی اُسے اکثر نہیں رہتی خبر اپنی

○

اِدھر دوست ہیں اور اُدھر دوست ہیں
سفر میں سبھی ہمسفر دوست ہیں

مرے ساتھ اُٹھاتے ہیں آوازِ حق
جو میری طرح کے نڈر دوست ہیں

فرشتوں سے میرے مراسم کہاں
بشر ہُوں لٰہذا بشر دوست ہیں

تعلّق تو سب سے ہے لیکن قریب
فقط صاحبانِ نظر دوست ہیں

مجھے جن کی جانب سے خطرہ ہے وہ
مخالف نہیں، بیشتر دوست ہیں

جو سکتے نہیں آپ کا کچھ بگاڑ
وہی آپ کے بے ضرر دوست ہیں

مجھے صبر کی دے رہے ہیں صلاح
مرے درد سے بے خبر دوست ہیں

شعورؔ اُن کا کم عمر، ہم عمر ہے
جو اُس سے بڑے ہیں مگر دوست ہیں

○

کیا کوئی ضروری ہے رہ و رسم بھی ہونا
کافی ہے شعور اُن سے دِلی دوستی ہونا

اچھے بُرے اندازِ تصرّف پہ ہے موقوف
دنیا میں کسی چیز کا اچھّی بُری ہونا

اظہارِ حقیقت میں اثر کے لیے حضرت!
اندازِ بیاں چاہیے افسانوی ہونا

کرنے نہیں دیتا ہمیں حل مسئلہ کوئی
در پیش بیک وقت مسائل کئی ہونا

کرتے ہیں یہاں لوگ بسر زندگی ایسی
ہے روز کا معمول کوئی خودکشی ہونا

سج بن کے نکلنا نہیں پڑتا مجھے گھر سے
اِس شہر میں اچھّا ہے مرا اجنبی ہونا

سوچا کرو انجام کسی کام سے پہلے
بے فائدہ ہے بعد میں شرمندگی ہونا

کیا قدر ہے گلشن میں چہکنے کی ہمارے
یہ بات بتاتا ہے سُنی اَن سُنی ہونا

لے اُڑتی بھلا کیوں نہ تمھیں وہ پَری پَل میں
تم بھی تو شعورؔ آخرِ کار آدمی ہونا

○

موانع تو ہیں انتہا کے ضرور
ملیں گے ہم اُس بُت سے جا کے ضرور

وہ پہچانے ہوں یا نہ پہچانے ہوں
مخاطب ہوئے مسکرا کے ضرور

نہیں لکھ سکے کوئی افسانہ ہم
بناتے رہے دل میں خاکے ضرور

بُھلانے کی کوشش کریں گے تو وہ
رہے گا ہمیں یاد آ کے ضرور

رفاقت کا دعوا تو ہم کیا کریں
رہے ساتھ اُس بے وفا کے ضرور

لُٹا آئے پردیس میں ہم شباب
مگر لائے پیسے کما کے ضرور

کبھی متّحد ہو گئے ایشیائی
تو بدلیں گے دن ایشیا کے ضرور

ہم اُس کا تعاقب نہیں چاہتے
نشانات ہیں نقشِ پا کے ضرور

سرِ شام نکلا ہے گھر سے وہ آج
شعوؔر آئے گا پی پلا کے ضرور

○

نہ وقت ہے، نہ ہمیں شوق اِن مشاغل کا
مگر قبول بُلاوا تمھاری محفل کا

دیا ہمیشہ مشقّت کا پھل خدا نے ہمیں
کرم ہے ہم پہ بہت اُس علیم و عادل کا

بھرا ہُوا ہے ستاروں سے آسمان مگر
مقام آپ کو حاصل ہے ماہِ کامل کا

جو دے رہے ہیں مجھے فتح پر مبارکباد
اُنھیں کہاں کوئی اندازہ میری مشکل کا

اُسی کو دیکھ کے جیتے ہیں جس پہ مرتے ہیں
اُف امتزاج مسیحا کا اور قاتل کا

جسے گھمنڈ ہو کوئی وہ سامنے آئے
ہم انتظار کریں گے کسی مقابل کا

جو خود فقیر ہو وہ کیا کرے کسی کی مدد
زبان گنگ ہے سُن کر سوال سائل کا

دُکھوں میں زندہ ہے کس شانِ بے نیازی سے
ہمیں گمان گزرتا ہے دل پہ اب سِل کا

شعور آپ بُجھا دیجیے فقط سمتیں
ہم انتخاب کریں گے خود اپنی منزل کا

○

جو حقیقت میں ہے وہی ہوتا
کاش انسان آدمی ہوتا

پیش کرتا دلیل جینے کی
میں اگر کوئی فلسفی ہوتا

عشق بھی اے خدا زمانے میں
حُسن کی طرح عارضی ہوتا

علم کی انتہا اگر ہوتی
آج بھی میں نہ مبتدی ہوتا

پیاس میں ہم خرید لیتے جام
چاہے کتنا ہی قیمتی ہوتا

وہ ہماری گلی نہیں آئے
ورنہ چرچا گلی گلی ہوتا

کبھی لکھتے ہم آپ بیتی تو
اُس کا عنوان بیکسی ہوتا

آ بھی جاتے اگر بُلانے پر
اُن کا آنا نمائشی ہوتا

جو تصوّر میں ساتھ ہے یارب
وہ کبھی ساتھ واقعی ہوتا

میں نہ ہٹتا اگر عدو کی جگہ
ایک بزدل نہیں، جَری ہوتا

زندگی صرف چار دن کی تھی
کیا تماشائے زندگی ہوتا

آپ کب تھے کسی کے دوست شعورؔ
آپ کا دوست کیا کوئی ہوتا

○

ہوش کی آنکھ زمانے میں کُھلی ہے جب سے
دل تمھارے لیے بے تاب ہے میرا تب سے

چین سے بیٹھنے دیتی نہیں لمحے بھر بھی
ہم پریشان ہیں اِس گردشِ روز و شب سے

دست و بازو بھی دیے، دل بھی دیا، عقل بھی دی
اور کیا چاہیے دنیا میں کسی کو رب سے

ہم سے کرتا ہے کوئی بیر تو لگتا ہے بُرا
کیونکہ ہم پیار کی رکھتے ہیں توقّع سب سے

ہارنے کے لیے ہو جائیں ہم اُن سے تیّار
اب یہی چال نکالے گی ہمیں اَردب سے

آؤ گے تم کہ نہیں وعدہ نبھانے اپنا
منتظر ہے یہ وفادار نہ جانے کب سے

ہم ہر انسان کو انسان سمجھتے ہیں شعورؔ
ہو تعلّق کسی خطّے سے، کسی مذہب سے

○

ہمیں کر گیا وہ بُتِ کافر ایسا!
کہ ایمان والا نہ آیا پھر ایسا

کھنچے جا رہے ہیں خود اُس کی طرف ہم
عمل کر رہا ہے کوئی ساحر ایسا

نہ پوچھو جو حالت ہے سینے میں دل کی
قفس میں پھڑکتا نہیں طائر ایسا

کسی کے لیے لمحے گنتے نہیں ہم
مگر کر رہے ہیں تری خاطر ایسا

وہ مجھ سے مرا مدّعا پوچھتا ہے
محبّت سمجھنے سے ہے قاصر ایسا

نہیں مل سکی مَے تو پَروا نہیں کی
مَیں پینے کی عادت پہ ہُوں قادر ایسا

کسی بات پر سب کے سب ہمزباں ہوں
ہُوا ہے کبھی اتّفاق آخر ایسا

بڑے مخلص و بے غرض آدمی ہیں
شعورؔ آپ کرتے ہیں کیوں ظاہر ایسا

○

کچھ نہ کچھ سوچتے دن رات بسر کرتے ہیں
عَملاً لوگ خیالات بسر کرتے ہیں

ڈھونڈتے ہیں جو کہیں اور تجھے دل کے سوا
عمر کس وہم میں ہَیہات بسر کرتے ہیں

ہم محبّت میں ہیں محبوب کے فرماں بردار
زندگی زیرِ ہدایات بسر کرتے ہیں

ہم سے اس طرح گزاری نہیں جاتی یارب
جس طرح مولوی حضرات بسر کرتے ہیں

دوسروں سے اُنھیں مطلب ہی نہیں ہے کوئی
وہ شب و روز فقط ذات بسر کرتے ہیں

خواب میں ایک ملاقات ہوئی تھی اُن سے
ہم وہی ایک ملاقات بسر کرتے ہیں

دیر تک وہ ہمیں رکھتے ہیں تروتازہ شعورؔ
ہم گلستاں میں جو لمحات بسر کرتے ہیں

○

گھپ اندھیرے میں روشنی کی ہے
ہم نے گُھل گُھل کے زندگی کی ہے

کیا کہوں کارکردگی اپنی
صرف تعمیل حکم کی کی ہے

ہم مساکین کو ضرورت کیا
انکسار اور عاجزی کی ہے

سب برابر ہیں اِس لیے ہم نے
دشمنوں سے بھی دوستی کی ہے

دوسروں کے سلوک پر کیا روئیں
ہم نے خود بھی کہاں کمی کی ہے

کوئی کس کی طرف توجہ دے
حالت ابتر یہاں سبھی کی ہے

اس محلّے میں حیثیت میری
جانے پہچانے اجنبی کی ہے

تیرے حرماں نصیب کی صورت
ایک تصویر بیکسی کی ہے

عمر بھر کچھ نہیں کیا ہم نے
عاشقی کی ہے، شاعری کی ہے

فوراً الفاظ لے لیے واپس
بات بیجا اگر کوئی کی ہے

جب سے دیکھے ہیں وہ نشیلے نین
کیفیت ایک بیخودی کی ہے

ہجر میں صبر کر رہے ہیں ہم
کتنی برداشت آدمی کی ہے

ایکدم ہم نہیں مَرے اُس پر
ہاں بتدریج خودکشی کی ہے

اور تو اور، کارواں کے ساتھ
رہنماؤں نے رہزنی کی ہے

کامیابی شعورؔ ہو کہ نہ ہو
ہم نے کوشش بُری بَھلی کی ہے

○

پانی کی طرح اشک بہانا ہے ضروری
وہ آگ ہے دل میں کہ بجھانا ہے ضروری

بڑھتا ہے سخاوت سے خیالوں کا خزانہ
یہ درہم و دینار لُٹانا ہے ضروری

کافی ہے کسی شخص کی تنقیص نہ تعریف
سب عیب و ہنر سامنے لانا ہے ضروری

لفظوں سے وہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا
اُس کی کوئی تصویر بنانا ہے ضروری

ہم پیکرِ اخلاق بنے رہتے ہیں گھر میں
بچّوں کو بگڑنے سے بچانا ہے ضروری

پِلوائے کوئی جاننے والا تو رہے یاد
یہ قرض بہرحال چُکانا ہے ضروری

آتا ہے بھلا کون اگر وہ نہیں آتا
تقریب میں اُس شخص کا آنا ہے ضروری

میخانے میں رندوں کو بہکنے سے نہ روکو
پینے کا مزہ بھی تو اٹھانا ہے ضروری

گو فرق تو پڑتا نہیں جانے سے ہمارے
یاروں نے بُلایا ہے تو جانا ہے ضروری

کیوں بزم سے اُٹھوا کے نہ چھیڑیں ہمیں احباب
احسان کیا ہے تو جتانا ہے ضروری

بیکار ہیں کیوں فرصتِ ہجراں میں شعورؔ آپ
کیا وقت محبّت میں گنوانا ہے ضروری

○

ہم یہاں یا وہاں نہیں جاتے
بیٹھے بیٹھے کہاں نہیں جاتے

واعظ و شیخ لاکھ بُلوائیں
ہم سوئے گُمرہاں نہیں جاتے

اُف گرانی کہ میکدہ ہے کُھلا
اور تشنہ دہاں نہیں جاتے

بھیج دیتے ہیں پہلے خوشخبری
وہ کہیں ناگہاں نہیں جاتے

جانے والے رضا و رغبت سے
چھوڑ کر یہ جہاں نہیں جاتے

جو ہمارے یہاں نہ آئیں شعورؔ
ہم بھی اُن کے وہاں نہیں جاتے

شکیل عادل زادہ

انور شعور ۔ اپریل 1943۔ فرخ آباد کے یوسف زئی خاندان میں پیدائش۔ گیارہ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز۔ لڑکپن میں آوارگی کے بہتان میں خانہ بدر۔ خواب وخیال کا ایک ہی وظیفہ۔ شعر وادب کا وسیع مطالعہ۔ کئی محبتیں اور رفاقتیں اور کسی تیشہ بہ دوش صحرا نشیں کی ہم سری و ہم نفسی کے لیے ہمہ دم بے قرار۔ بابائے اُردو کے ادارے انجمن ترقیٔ اُردو، پاکستان میں پہلی ملازمت۔ ہفت روزہ اخبار جہاں کے ابتدائی برسوں میں وابستگی۔ 70 میں سب رنگ کے اجرا سے ادارتی عملے کے سرخیل۔ قطعہ نگار کی حیثیت سے تاحال روزنامہ جنگ وسیلۂ معاش۔ 70 میں خانہ آبادی۔ تین بیٹیاں، ایک بیٹا۔ کہانیوں سمیت مختلف موضوعات پر ان گنت رواں دواں، سادہ و شگفتہ نثری تخلیقات۔ بنیادی طور پر غزل کار، اپنی طرز، رنگ اور روایت میں گندھی ہوئی جدید شاعری کے تمام القاب وخطابات کے سزاوار۔ ہم عصر اور نئی نسل کے اکثر شاعروں پر گہرے نقوش کا اعزاز۔ پہلا شعری مجموعہ "اندوختہ"، دوسرا "مشقِ سخن"، تیسرا "می رقصم"، چوتھا "دل کا کیا رنگ کروں"، اور اب ان مجموعوں پر مشتمل یہ کلیات "کلیاتِ انور شعور"۔ امریکا، کینیڈا، عرب دنیا کے کئی ممالک اور ہندوستان کی مشاعرانہ سیاحت۔ 62 سال سے حسرتِ زندگی کے آشوب اور امتحان میں ثابت قدم۔ پہلی اور آخری ترجیح شاعری، بطورِ خاص لیلائے غزل۔ اول و آخر، سر بہ سر، سرتاپا شاعر انور شعور۔ ایک خمیدہ سر، نکتہ آفریں، خیال انگیز شاعر انور شعور......

(2015 میں شائع ہونے والی کتاب "کلیاتِ انور شعور" سے)

عصری شعری تناظر میں انور شعور کا شمار اُن تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جن کی تفہیم اور تعین قدر کے اعتبارات الگ ہوں گے۔ ہم انھیں مروّجہ قاعدوں اور مقررہ پیمانوں سے جانچنے پرکھنے کی کوشش کریں تو فہم میں نقص واقع ہونے کا خاصا امکان ہے۔ اس لیے نہیں کہ انور شعور نے اپنی شاعری میں ایسے مضامین تراشے ہیں یا اسلوب و آہنگ کے ایسے تجربات کیے ہیں جن پر بات کرنا ذرا دشوار ہے۔ ایسا تو نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے انور شعور کا رنگِ سخن اور حرفِ سادہ اپنی تہ میں دُردِ بادہ کی طرح کچھ ایسا ضرور رکھتا ہے کہ جس کا ذائقہ اور اثر اُن کے قاری کو ایک کیفیت — ایک الگ کیفیت سے ہم کنار کرتا ہے۔

یہ بات، بہت سے لوگوں کو نہیں معلوم کہ انور شعور نے اُردو کی کلاسیکی شاعری کا جیسا مبسوط اور بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، وہ کم ہی لوگ کرتے ہیں۔ مطالعہ وہ نعمت ہے کہ عمر بھر آدمی کو سیراب اور شادکام رکھتی ہے۔ تخلیقی صلاحیت فطری ہوتی ہے، لیکن مطالعہ اس کو صیقل کرتا ہے اور آب دار بنا دیتا ہے۔ یہ جو سادہ کاری ہمیں انور شعور کے یہاں نظر آتی ہے، یہ دراصل تہ داری اور پُرکاری کے ہنر کو جاننے اور سمجھنے کے بعد کے مرحلے کی ہے۔ یہ مرحلہ اُس وقت آتا ہے، جب تخلیق کار مشکلوں کو گھٹ میں اتارنا اور اس طرح آسان بنانا سیکھ جاتا ہے جیسے سانس لینا۔ یہی سبب ہے کہ انور شعور کے یہاں بہت عام سی بات، روزمرّہ کا کوئی معمولی واقعہ اور انسانی طرزِ احساس کا کوئی بہت سادہ رویّہ بھی شعر کے قالب میں ڈھل کر چلا آتا ہے۔ یہ اُس وقت ہوتا ہے، جب شاعر موضوعات اور مضامین کی کمی کا شکار نہیں، بلکہ بہتات سے دوچار ہوتا ہے، جب شعر کہنا اور زندہ رہنا گویا ایک ہی عمل کی دو جہتیں بن جاتی ہیں۔

مبین مرزا

Rang-e-Adab Publications
Office # 5 - Kitab Market, Urdu Bazar, Karachi.
0345-2610434 0336-2085325
021-32761100 0300-2054154
rangeadab@yahoo.com /rangeadab

ISBN: 978-969-7665-15-0

Rs: 500/-